سندھ میں اردو شاعری

مؤلف

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

سندھ میں اردو شاعری

(از عہد شاہ جہان تا قیام پاکستان)

مؤلف

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

محکمہء ثقافت حکومتِ سندھ

2012ء

کتاب کا نام:	سندھ میں اردو شاعری (از عہد شاہ جہان تا قیام پاکستان)
مؤلف:	ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ
طبع اوّل:	1967ء، مہران آرٹس کونسل
طبع دوم:	1970ء، مہران آرٹس کونسل
طبع سوم:	2012ء
تعداد:	1000
کمپوزنگ:	محمد اقبال / سارنگ امداد
ٹائیٹل:	ظفر آفتاب
پرنٹنگ:	پی کاک پرنٹرز، کراچی۔ فون: 021-35213829
ناشر:	محکمہء ثقافت حکومتِ سندھ
قیمت:	350 روپے

Title of Book :	Sindh Mein Urdu Shairi (Urdu Poetry in Sindh)
Compiled by:	Dr. Nabi Bux Khan Baloch
Third Edition :	June 2012
Quantity:	One Thousand Copies
Composed by:	Muhammad Iqbal/ S. M. Imdad
Title/Lay Out:	Zafar Aftab
Printed by :	Peacock Printers, Karachi. 021-35213829
Published by :	Culture Department, Government of Sindh
Price :	Rs. 350/-

ملنے کا پتا:

کلچر کتاب گھر: نزدیک MPA ہاسٹل،

سر غلام حسین ہدایت اللہ روڈ کراچی پر دستیاب ہے۔

فون نمبر: 021-99206144-99206073

فہرست

پبلشر نوٹ

سندھ کے مایہ ناز محقق و اسکالر ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی کاوش "سندھ میں اردو شاعری" از سر نو شایع کی جارہی ہے، جو عہد مغلیہ سے قیام پاکستان تک کے شعراء کا مجموعہ کلام ہے۔ یقیناً بعض شعراء قلمبند ہونے سے رہ گئے ہونگے، جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیش لفظ میں بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کی دو بڑی اہم وجوہات گنوائی جاسکتی ہیں۔ ان میں اولین یہ ہے کہ بیشتر محققین کی رائے ہے کہ سندھ مولودِ اردو ہے۔ اس رائے کے بڑے وکیل بر صغیر ہندوپاک کے محقق و مورخ سید سلیمان ندوی ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف "نقوش سلیمانی" میں دعویٰ کیا کہ "مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچتے ہیں، اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اس وادیٔ سندھ میں تیار ہوا ہو گا"۔ آپ نے اسکا مرکز ٹھٹھ اور ملتان بتایا ہے۔ (نقوش سلیمانی ص: 31)

آپ کے تلمیذ رشید مولانا ابو جلال ندوی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ "موئن جو دڑو کے رسم الخط کا رشتہ قدیم عبرانی اور عربی زبانوں سے ملتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کی اس تہذیب کا دوسرے انبیاء کی امتوں سے اور مسلم تہذیب سے گہرا تعلق ہے۔ یہ تمام بحث اس یقین کے لئے کافی ہے کہ سندھی رسم الخط نے عرب تک سفر کیا اور عرب کے رسم الخط کا نام قبل قرآن "مسند" تھا۔ اس نام کے نقوش اور خود یہ نام سندھ سے اپنا رابطہ ظاہر کرتے ہیں۔ (دنیا کی زبانوں سے وادیٔ سندھ کا تعلق جریدہ نمبر 22 مطبوعہ کراچی یونیورسٹی 2004ع، ص:18-20) سندھ کے نامور مورخ سید حسام الدین راشدی نے تو اپنی تحقیق کا نام "اردو زبان کا اصلی مولود سندھ" رکھا، جو کراچی سے 1957ع میں شایع ہوئی۔ اس حوالے سے اردو زبان کے معروف محقق و ماہر لسانیات ڈاکٹر جمیل جالبی کا موقف بھی قابل ستائش ہے۔ فرماتے ہیں "جیسے سندھ کے عمر کوٹ میں پیدا ہونے والا بچہ

آگے چل کر شہنشاہ ہند اکبر اعظم کے نام سے مشہور ہوا، اس طرح سندھ و ملتان میں پروان چڑھنے والی یہ زبان ترک افغانوں کی توانائی کو جذب کر کے صدیوں بعد دہلی پہنچی اور وہاں کی بولیوں سے نیا رنگ و نور لیکر جلد ہی مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ سارے برا عظم کی مشترکہ زبان بن گئی اور بارہ سو سال بعد پھر اپنے وطن مالوف واپس آکر دائرہ کو مکمل کرتی ہے، جو محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے فوراً بعد بننا شروع ہوا تھا"۔ (تاریخ اردو ادب جلد اول، ص: 280)

زیر نظر کتاب میں زبان کے حوالے سے مقامی شعراء کے لب و لہجہ کا فرق محسوس ہوتا ہے جو ایک فطری عمل ہے۔ بعض الفاظ جو اردو میں مذکر ہیں وہ سندھی زبان میں مؤنث ہیں۔ اس طرح اردو زبان کے ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے جب کہ سندھی میں وہ متحرک ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شعراء نے بحر و وزن کو قائم رکھنے کیلئے مقامی رنگ اختیار کیا ہے۔ مقامی اردو شاعری کا انداز بیان قابل توجہ ہے۔ اور خاص طور پر جن موضوعات پر طبع آزمائی کی گئی ہے، وہ پہلو آج کے ادبی و سماجی تناظر میں دلچسپی سے خالی نہیں۔

ہم وزیر ثقافت محترمہ سسئی پلیجو کے رہین منت ہیں، جنہوں نے نایاب و نادر کتب کی دوبارہ اشاعت کے منصوبہ کی منظوری دی، جس کی بدولت انتہائی اہم اور نایاب کتب منظر عام پر آرہی ہیں۔ ساتھ ہی قارئین سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی آراء سے نوازیں اور ایسی ہی نادر کتب کی نشاندہی کریں تاکہ ہم ایسی بیش بہا کتب قارئین کے نذر کرتے رہیں۔

عبدالعزیز عقیلی
سیکریٹری کلچر
محکمہ ثقافت، حکومت سندھ

پیش لفظ

(دوسری اشاعت)

یہ کتاب 'سندھ میں اردو شاعری' سال 1967ء میں پہلی بار چھپی اور علمی حلقوں میں قدر دانی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ لہٰذا راقم نے اس کے دوسرے ایڈیشن تیار کرنے کی طرف توجہ دی۔ اس دوسرے ایڈیشن کی خصوصیات یہ ہیں: اول جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی نے پہلی اشاعت کو شروع سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھ کر طباعت اور املا کی اغلاط کی نشاندہی کی اور اصلاحات تجویز فرمائیں جن کو اس اشاعت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایڈیشن نسبتاً زیادہ صحیح اور صاف ہے۔ اس کے علاوہ متن میں بھی مفید اضافے کئے گئے ہیں۔ خصوصاً چار نئے شعراء کا کلام شامل کیا گیا ہے، جن کے نام یہ ہیں: سید قمبر علی شاہ بھاڈائی (ص 82)، غلام حیدر فقیر گرناری (ص 147)، امام علی خدمتگار (ص 225) اور ھدایت علی نجفی (ص 268)۔ ان اضافوں سے شعراء کی تعداد اب ستر تک پہنچتی ہے۔

بعض شعراء نے 'بھاشا' یا 'ہندی' میں شاعری کی ہے، لیکن ہم اس شاعری کو ارتقائی طور پر اردو شاعری کی تاریخ کا ایک باب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شعراء کا کلام بھی لے لیا گیا ہے، تاکہ سندھ میں اردو شاعری کے ارتقا کا سلسلہ واضح ہو جائے۔

اکثر شعراء کا کلام قلمی ذخیروں سے لیا گیا ہے۔ دور ماضی کے سندھی کاتبوں کی اردو زبان سے ناآشنائی کی وجہ سے بعض اشعار میں املاء کی غلطیاں رہ گئیں جس سے بحر و وزن میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ کوشش کے باوجود چند اشعار کی صحیح صورت معلوم نہ ہو سکی، تاہم سندھ میں اردو شاعری کی تاریخ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے، ان چند اشعار کو عروضی سقم کے باوجود شامل کر لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ نئے قلمی ذخیروں کی دریافت سے

ان کی تصحیح ہو سکے گی۔

سندھی شعراء نے بعض الفاظ کو مقامی سندھی لب ولہجہ میں ادا کیا ہے۔ اس لہجہ کی خصوصیات یہ ہیں: (الف) حروف صحیح پر مشتمل سہ۔ حرفی الفاظ کا حرف دوئم اکثر متحرک ہوتا ہے، اور اس پر عموماً ماقبل کی حرکت لاحق ہوتی ہے۔ جیسا کہ حُسُن، کُفُر، مَدَح، دَرَس، جِسِم، چشِیم وغیرہ۔ البتہ پہلا حرف جب مفتوح ہوتا ہے تو بعض صورتوں میں حرف دوم پیش، زیر، یا سکون کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ مثلاً قَتُل، فتح، مرض۔ (ب) بعض دوسرے الفاظ کا املاء بھی سندھی میں مخصوص ہوتا ہے۔ مثلاً بھروسہ (بھروسہ)۔ اشعار میں ایسے الفاظ کو مقامی لب ولہجہ کے مطابق پڑھا جائے گا، تو وزن صحیح ہو جائے گا۔ وزن کے سلسلے میں ایک اور نکتہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ صنف 'کافی' عروضی پابندیوں سے آزاد ہے۔ 'کافیاں' بحور اور اوزان کی پابند نہیں ہوتیں بلکہ 'الحان' اور 'لے' سے ہم آہنگ ہوتی ہیں۔

میں اپنے رفیق محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے پہلی اشاعت کے متن کو کافی توجہ سے لفظ بلفظ پڑھ کر مفید اصلاحات تجویز فرمائیں۔ جناب ممتاز مرزا صاحب نے کتاب کی طباعت میں ہاتھ بٹایا۔ میں اُن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مخلص

نبی بخش خان بلوچ

سندھ یونیورسٹی

حیدرآباد سندھ

15۔ اگست 1970ء

تعارف

(پہلی اشاعت)

7۔ جنوری 1966ء کو بندہ راقم کی تجویز پر 'مہران آرٹس کونسل' حیدرآباد کے زیر اہتمام فن شعر و شاعری کی ترویج کے سلسلے میں ایک 'محفل انشاد' منعقد کی گئی، جس میں خطہ سندھ کے قدیم اردو شعراء کے منتخب اشعار پیش کرنے کی کوشش کی گئی، تاکہ قدماء کے اسالیب بیان اور محاسن کلام منظر عام پر آجائیں اور اس طرح تنقید شعری کا دائرہ وسیع ہو۔ اور ساتھ ہی اردو شاعری کی ترویج میں خطہ سندھ کا جو حصہ ہے وہ کسی قدر روشن ہو کر آئندہ کے لئے اہل علم کی توجہ کا باعث بن سکے۔

محفل انشاد کے لئے بارہ شعراء کا انتخاب کیا گیا، جن میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی سوانح یا کلام کے متعلق اب تک بہت کم معلومات تھیں۔ راقم نے ان کے متعلق ضروری معلومات فراہم کیں، تاکہ جو حضرات ان شعراء کے کلام کو پیش کریں انہیں تنقید و تبصرہ میں آسانی ہو۔ یہ محفل ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب پروفیسر و صدر شعبہء اردو سندھ یونیورسٹی کی زیر صدارت منعقد کی گئی۔ جن حضرات نے ان شعراء کا کلام اپنی نقد و نظر کے ساتھ اس محفل میں پیش کیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب صدر شعبہء اردو، سندھ یونیورسٹی، جناب علی نواز جتوئی صاحب صدر شعبہء سندھی، سندھ یونیورسٹی، جناب ڈاکٹر رشید اللہ خان صاحب لیکچرار شعبہء اردو، سندھ یونیورسٹی، جناب میرزا اسد بیگ صاحب، جناب شاہ محمد نعیم ندوی صاحب، لیکچرار شعبہء اردو، سندھ یونیورسٹی، جناب ڈاکٹر قاضی نبی بخش صاحب، صدر شعبہء فارسی، سندھ یونیورسٹی، جناب مشتاق جعفری صاحب، لیکچرار گورنمنٹ کالج حیدرآباد، جناب الیاس عشقی صاحب، اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر، ریڈیو پاکستان حیدرآباد،

جناب جبریل صدیقی صاحب ایڈوکیٹ، جناب زیب بھٹی صاحب، لیکچرار سندھی، سچل کالج، حیدرآباد، جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب، ہیڈ ماسٹر قاضی اکبر گورنمینٹ پرائمری اسکول حیدرآباد اور جناب ممتاز مرزا صاحب، ریڈیو پاکستان حیدرآباد۔

اس محفل میں جو کلام پیش کیا گیا، اس کی نوعیت اور ان اہلِ علم حضرات کے تبصروں سے یہ پہلی بار محسوس کیا گیا کہ اردو شاعری کی ترویج میں خطہ ءسندھ کے شعراء کا حصہ اس برصغیر کے دوسرے خطوں کے شعراء سے کچھ کم نہیں۔ فن شاعری کے سلسلے میں اس پیش بہا سرمایہ کی حفاظت اور اشاعت کو ضروری سمجھ کر راقم نے مہران آرٹس کونسل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خطہ ءسندھ کے قدیم اردو شعراء کا منتخب کلام کونسل کی طرف سے شایع کیا جائے۔ کونسل نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور بندہ نے اس کتاب کی تالیف اپنے ذمے لے لی۔

اس کتاب اور اس میں شامل مواد کے متعلق چند گذارشات ضروری ہیں: اول یہ کہ تالیف اس موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ نہیں بلکہ ایک اجمالی خاکہ ہے۔ تفصیلی جائزہ نہیں بلکہ ایک مثالی کوشش ہے۔ لہٰذا سندھ میں اردو شاعری کی تاریخ کے ہر دور میں سے نمائندہ شعراء کو پیش کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی شعراء ہیں جن کے نام معلوم ہیں اور بعض کا کلام بھی موجود ہے، لیکن سر دست جو مواد اور معلومات راقم کے پاس موجود تھیں یا آسانی سے حاصل ہو سکیں، ان کو اس کتاب میں مرتب کیا گیا ہے۔

دوم یہ کہ صرف ایسے شعراء کو لیا گیا ہے، جن کا تعلق خاص خطہ ءسندھ سے رہا ہے۔ یہ عہد شاہجہان سے لے کر تقریباً 1935ء تک کے ہیں۔ ان میں سے ان متاخرین کو لیا گیا ہے، جن کی علمی اور ذہنی تربیت 1920ء[1] سے پہلے ہوئی حالانکہ وہ 1935ء تک زندہ رہے، یعنی ایسے شعراء کو لیا گیا ہے جن کا کلام نسبتاً خالص سندھی ماحول کی پیداوار ہے تاکہ سندھ میں اردو کی مستقل نشو و نما کی تاریخ کے خدوخال روشن ہو سکیں۔

سوانح کا مواد کافی کوشش سے جمع کیا گیا ہے۔ شعراء کی 'زندگی کے حالات' خصوصاً ولادت، وفات اور بود و باش کے اہم پہلوؤں کو روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

(1) تحریک پاکستان سے پیشتر، پہلے خلافت تحریک 1920ء اور بعد میں مسلم لیگ اور خاکسار تحریک نے اس نئے ماحول کی ابتدا کی جس میں خطہ ءسندھ، جدید اردو زبان سے براہِ راست آشنا ہوا۔

مگر وقت کی قلت کی وجہ سے تفصیلی معلومات فراہم نہ ہو سکیں۔ جہاں ولادت اور وفات کی صحیح تاریخیں نہ مل سکیں وہاں ذیلی مطالعے اور قرائن سے ولادت اور وفات کے سال اندازاً لکھ دیئے گئے ہیں، تاکہ شاعر کے دور کا حتیٰ الامکان صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

مئی اور جون 1966ء کے قلیل عرصے میں اس کتاب کی تالیف اور طباعت کی تکمیل کے باعث بعض پہلو تشنہ تحقیق رہ گئے ہیں، جن کی تلافی کو دوسرے ایڈیشن پر ملتوی کیا گیا ہے، کہ "کاری کسی تمام نکرد"۔

مہران آرٹس کونسل حیدرآباد کے صدر اور کمشنر حیدرآباد، جناب مسرور حسن خان صاحب (تمغہء پاکستان سی-ایس-پی) قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس تالیف کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے کونسل کی طرف سے اس کی اشاعت کی تجویز کا خیر مقدم کیا اور کونسل نے کتاب کو چھاپنا منظور کر لیا۔

جن حضرات نے اس کتاب کو پایہء تکمیل تک پہنچانے میں بندہ کا ہاتھ بٹایا ان میں سے سب سے پہلے میں اپنے بزرگ رفیق اور کرم فرما ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، صدر شعبہء اردو سندھ یونیورسٹی کا شکر گذار ہوں، جنہوں نے اس کام کی ہر منزل پر بندہ کو خندہ پیشانی سے اپنے بیش بہا مشوروں سے مستفید فرمایا۔ ان کی ذاتی محبت اور اس کتاب کی تالیف سے دلچسپی میرے لئے اس کام کی تکمیل میں مشعلِ راہ ہوئیں۔ محترم میرزا اسد بیگ صاحب، محترم میرزا عباس علی بیگ صاحب اور محترم ممتاز مرزا صاحب نے بعض شعراء کے سوانح اور کلام کے متعلق مواد مہیا کرنے میں مدد فرمائی۔ سید اکرام علی صاحب، پرنسپال سندھ یونیورسٹی ماڈل سکول، کو اس کام سے ایسا دلی لگاؤ ہو گیا کہ انہوں نے شروع سے آخر تک اس کام میں تعاون فرمایا۔ محترم محمد اسمٰعیل شیخ اور محترم ممتاز مرزا نے پریس کاپی تیار کرنے میں مدد کی، اور محترم محمد حسن بلوچ نے اس کتاب کے چھپوانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ میں ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خادم العلم
نبی بخش خان بلوچ

سندھ یونیورسٹی
10۔ جولائی 1967ء

ملا عبدالحکیم "عطا" ٹھٹوی*

(1140-1040ھ)

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحکیم "عطا" سنہ 1040ھ کے لگ بھگ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد اور بڑے بھائی عالم، فاضل اور شاعر تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی عطا نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ بقول میر علی شیر "قانع" ٹھٹہ کے گورنر نواب مظفر خان (1063-1069) نے اپنی سرپرستی میں ان کے شاعرانہ ذوق کی آبیاری کی۔ عطا کی شاعری کا آغاز سنہ 1060ھ سے ہوتا ہے۔

عطا نے بڑی عمر پائی۔ آپ کی ولادت شاہ جہانی دور میں ہوئی اور وفات عالمگیر کے بعد ٹھٹہ میں عطا نے ملک میں انتظامی اور سماجی خلفشار دیکھا تھا۔ چنانچہ اُن کے کلام میں سیاسی بے چینیوں اور بدنظمیوں کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

سنہ 1118ھ سے لے کر 1129ھ تک کا زمانہ اُن کے لیے مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا۔ اس کا اعتراف وہ یوں کرتے ہیں کہ:

"داغ دل عطائی" تاریخ حال تست

از خار خار سینہ خراشیدہ بودہ ای

"داغ دل عطائی" سے سنہ 1129ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ کا ایک قطعہ "جھوک" کے بزرگ صوفی شاہ عنایت اللہ کی گرفتاری اور شہادت (1130ھ) پر ملتا ہے۔ ایک دوسرے واقعہ کا مادہ تاریخ 1135ھ ہے۔ یہ آخری سال ہے جو آپ کے اشعار میں ملتا ہے۔ غالباً اس کے بعد جلد ہی عطا کا انتقال ہو گیا۔

بقول میر علی شیر قانع، عطا ایک پاکباز، عبادت گذار اور پرہیز گار شخص تھے۔

---

* ماخوذ از "دیوان عطا"، تصحیح و تحقیق سید محمد مطیع اللہ "راشد" برھانپوری، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

صوفی مشرب رکھتے تھے۔ عطا کو اپنے سخنور ہونے پر ناز تھا۔ وہ خود کو یکتائی روزگار سمجھتے تھے، اور متمنی تھے کہ قدرداں ان کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کریں۔

عطا کے فارسی کلام کا مخطوطہ جو ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس سے ''دیوان عطا'' چھاپا گیا ہے، اُس میں آٹھ نو سَو کے قریب غزلیں، قریباً ایک سَو رباعیاں، ترجیع بند، مخمس اور 141 اشعار پر مشتمل ایک ساقی نامہ ہے۔

اس مخطوطہ میں عطا نے اپنا اردو کلام بھی کہیں کہیں قلمبند کیا ہے اور یہ کلام سنہ 1100 تک کا ہے۔[1] کچھ اردو کلام حواشی میں اور بین السطور لکھا ہوا ہے[2] جس کو ''دیوان عطا'' کے فاضل مرتب نے جمع کر دیا ہے۔[3] افسوس کہ بعض اشعار ناقص مخطوطہ کی وجہ سے مٹ کر رہ گئے ہیں۔

[1]

''عطا'' اس بھوک سوں ہم لوک رہتا
ز خوردن ساگ لونی سوک رہتا
مری جان دیکھنا پھر دکھ نہ دینا
کہ محتاج تو کے مفلوک رہتا
دو کلنگ از دعا گویاں مقابل
مدد پایا مراد چوک رہتا
ز با افراط افطار فقیراں
کیئوں رجنا بہ آدھی بھوک رہتا
ترا پیوستہ جشن است و مرا فقر
نہ یاد از گریۂ صعلوک رہتا
کہاں وہ پوچھنا ہنسنا کھلانا
نظر بر مور کی مملوک رہتا

---

[1] ملاحظہ ہو فاضل مرتب کا مقدمہ ص 134 [2] ایضاً، مقدمہ ص 134

[3] ایضاً، مقدمہ ص ص 120، 134، 137، 459، 461۔

[2]

"عطا" خبطا کہاں خاموش رہتا
سخن گر از زبان بر گوش رہتا
ازیں کلجگ گذرنا ... ...
کہ اس دکھ سوں ... کوش رہتا
ز سوز سینہ دم ... .
اگر از گرمیء دل جوش رہتا
چو مجنوں ذوفنونِ زار اینجا
کہ بے پرواز خود بے ہوش رہتا
ز خود خونِ جگر پیتا و جیتا
بہ درد و داغ ہم آغوش رہتا
مسافر را ہمیں آب و غذا خوش
کز اشک وآہ دوشا دوش رہتا
چو گل رنگِ حنا بندی بدزدید
چو نیلوفر کہ نیلی پوش رہتا
بہردم آدمی بیچارہ بے تاب
بغمہا غوطہ نوشا نوش رہتا

[3]

حیف است اے "عطا"... ....
... ...لاچار رادنا و ات پت بیتنا
جو وے سدھار جاگ کیا نیند بایلی
صد بار ہارنا نہ کبھی داو جیتنا
ہشیار کھیلنا دکھ اپنا نہ سوجھنا

سب چھوڑنا نہ مال پرایا سمیٹنا
.. ناو جھولنا نہ لڑکپن گیا ابھی
... اتیت کلجگ و پردیس چیتنا
... کیا کہہ گیا کھیت کا سے
... تکے ... ... کھلیاں دیکھنا
.. دن گیا کہ پوت کلاتور پھٹ پڑی
... چو تانت سری پاپ کھینچنا
... کہنا کہ آگا پیچھا پکا رہے
... پھرے کہ دینا لینا نہ پہنچنا
... ماہارے پر گھٹ پڑا رہا
... دل نہ مانگے رجنا و چھوٹنا
... بھولنا کہ ابھی رات ہے نہ دن
... حالیانہ کا نہ سپنا نہ آکھنا
... غزل کہنا بات چیت سن
... پیا کچھ اپنا حال دیکھنا

میر حیدرالدین ابوتراب 'کامل'

(1100؟-1164ھ)

میر حیدرالدین بن محمد رضی الدین کی کنیت 'ابو تراب' تھی۔ آپ 'فدائی' خانوادہ امیر خانی سے تعلق رکھتے تھے۔ پوری زندگی عسرت اور استغنا میں گذاری۔ لوگ آپ کو نذرانے پیش کرتے، لیکن آپ انہیں قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔

آپ ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ 'کامل' تخلص اختیار کرتے تھے۔ سندھی، اردو اور فارسی کے صاحب دیوان تھے۔ میر علی شیر 'قانع' لکھتے ہیں کہ میر 'کامل' نے اپنے کلام کے دس ضخیم مسودے تیار کئے، جو آپ نے میاں محمد پناہ 'رجا' ٹھٹوی کو تدوین کے لیے دئے تھے۔ 'قانع' اور 'رجا' ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔

میر کامل کا وہ زمانہ تھا جب سندھ میں 'کلہوڑہ' خاندان برسر اقتدار آچکا تھا، مگر ٹھٹہ ایک مدت تک مغل صوبہ داروں کے ماتحت رہا اور مغلیہ سلطنت کے دور میں اردو کے شعراء وقتاً فوقتاً سندھ میں آتے تھے، اور مقامی شعراء اور ادباء کی ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان ملاقاتوں کی وجہ سے سندھ کے فارسی شعراء نے اس نئی زبان کو اپنایا اور اس میں اشعار کہے۔ میر حیدر الدین کامل نے بھی اس اثر کے تحت اردو میں طبع آزمائی کی۔

میر کامل نے سنہ 1164ھ میں وفات پائی۔ میر علی شیر قانع نے ان کی تاریخ وفات "انَّ للمتقین جنّت" نکالی۔

1164ھ

کامل کا کلام بطور نمونہ میر علی شیر قانع نے اپنی تصنیف 'مقالات الشعراء' اور اپنے بیاضوں میں قلمبند کیا ہے۔ 'مقالات' میں لکھا ہے کہ "ہر چند اشعار ہندی ایشاں

عالمگیر است، اما فقیر آنچہ یاد دارد می نویسد"۔ کامل کے اردو اشعار عالمگیر شہرت حاصل کر چکے تھے جس سے ان کی شاعرانہ قدر و منزلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ صنعت ایہام میں وہ بے نظیر تھے۔ آپ نے غزل و منقبت کے علاوہ کبت و دوہرہ کی زمین میں بھی شاعری کی اور ان صنفوں میں عجیب نکات آفرینی کی۔ قانع کے الفاظ یہ ہیں "در ایہام بندی بے مثل، و دوہرہ و کبت و نکات غریب وصفات عجیب وسائر اقسام از ایشان بسیار بزبانہاست"۔

یہاں ان کے کلام کا کچھ انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

پیارے لڑکے ہمیں ستانا کیا
ہر گھڑی لڑ کے رُوس جانا کیا (1)
پھر سجن پاک سج چلے ہیں کیوں
بات بے بیچ میں بتانا کیا
یُو جلا کھیل میں یُو جاتا ہوں
شمع رو کا پتنگ اُڑانا کیا
یار جانا کی بات جانی میں
یہ نہ جانے تو پھر نہ جانا کیا
دلبری میں سُکچ سو کچھ ناہیں (2)
دل چرانے میں دل چرانا کیا
شمع کہتی جلی جلی بتیاں
کاٹنا سر، جلا جلانا کیا
تیغ غمزے کی زور 'کامل' پر
جو بہانا، تو پھر بہانا کیا

لبوں دلبر کے میرے قتل پر بیڑا اٹھایا ہے
خدایا خون سوں میرے تو اس کوں سرخرو کرنا

---

(1) روس = روٹھ (2) سکچ = تامل

—

خال رخسار پر اچنبا ہے
گال کے کھیت میں اُگا ہے تل

—

عشق اب ڈول ہے زلیخا کا
اس سوں آگے ہے چاہ میں یوسف

—

دوست بخشے گا دوست سب کے سب
گرچہ عاصی ہوں اس کا آسی ہوں

—

تیرے و اصل میں دوجی تات نہیں (1)
سب ہوا پھول ایک پات نہیں

—

وعدے ہوئے دروغ جو اس لب سوں ہم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

—

خطہ ترے کا شوق اکھیاں کا لکھا
ہرن کوں سبزے بنا چارا نہیں (2)

—

عشق کی آگ جگمگاتی ہے
یہ دیا تیل بات پاتی ہے

—

کس کی چوپر پر اجل ڈھارا نہیں
سار لے تو کس کو وہ مارا نہیں

---

(1) تات = جستجو۔ طلب (2) سبزے بنا = سبزے بغیر

—

زلف انکھیاں پہ آن لٹکے ہیں
دام بادام دو دو اٹکے ہیں

—

زلفاں کے اگر ساتھ اڑائو تو اڑونگا
سوَ بار اگر مار لڑائو تو لڑونگا
'کامل' ہے غنی ٹھیکری پر لاکھ لگاوے
کیوں ٹوٹا گھڑا، پھر تو گھڑاوَ تو گھڑونگا

—

درد ہے دال، موہ بھاتا ہے
مجھے کچھ درد دال بھاتا نہیں

■

میر محمود صابر

(1115؟- 1185ھ؟)

میر محمود کے آباؤ اجداد استر آباد (ایران) کے رضوی سادات کے ایک معزز خاندان سے تھے۔ ان کے والد جہاں آباد (دھلی) آکر متوطن ہوئے اور یہیں پر 1115ھ کے لگ بھگ میر محمود کی ولادت ہوئی۔ ان کا خاندان امامیہ مذہب اثنا عشری کا پیرو تھا جو انہیں ورثے میں ملا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ائمہ کی زیارت کی خاطر انہوں نے اپنے دوسرے وطن دہلی کو خیر باد کہا۔ زیارت سے مشرف ہو کر سندھ کے راستے واپس ہوئے، تو شہر ٹھٹہ کی رونق اور چہل پہل میں ان کا دل اٹک کر رہ گیا، اور واپس وطن جانے کا خیال ترک کر کے ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔ انہوں نے یہیں پر شادی کر لی اور صاحب اولاد ہوئے۔[1]

غالباً 1135- 1140ھ کے درمیان جب کہ ان کی عمر 20-25 سال تھی انہوں نے ٹھٹہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس وقت ٹھٹہ پر شاہان دہلی کے صوبہ داروں کی حکمرانی تھی۔ لیکن یہ مغلیہ سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا۔ سندھ میں کلہوڑہ (عباسی) خاندان کی سیاسی قوت روز بروز مستحکم ہوتی جا رہی تھی۔ اور بالآخر 1151ھ میں جنوبی سندھ یعنی ٹھٹہ کا علاقہ بھی بطور اجارہ میاں نور محمد خدایار خان عباسی کی تحویل میں آگیا۔

آزادی کی اس نئی فضا میں ٹھٹہ کا مردم خیز شہر اپنی علمی اور ثقافتی روایات میں اور آگے بڑھا۔ میر محمود کو ٹھٹہ میں سکونت اختیار کئے ہوئے دس پندرہ برس گذر چکے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مخدوم محمد ھاشم (متوفی 1174) اور مخدوم محمد معین (متوفی 1161) جیسے نامور علماء اور محسن جیسے سربر آوردہ شعراء علم و فن کی محفلیں گرما رہے تھے۔ اردو شاعری

---

[1] مقالات الشعراء: ص ص 355-356 (380- صابر)

میں مخدوم محمد معین ممتاز تھے اور 'بیراگی' تخلص کرتے تھے، گیت اور دوہروں میں بھی خاص دسترس رکھتے تھے۔ محسن کو فارسی شاعری میں کمال حاصل تھا، میر محمود کی طرح امامیہ مذہب کے حلقہ بگوش تھے۔ میر محمود غالباً انہی کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے اور انہی کی وساطت سے ان کو میاں نور محمد خدایار خان والی سندھ کے دربار تک رسائی حاصل ہوئی۔ 1167ھ میں میاں نور محمد فوت ہوئے تو لوح مزار کے لئے تاریخ میر محمود ہی سے لکھوائی گئی۔

ز سال فوت چو تاریخ خواستم دل گفت
حبیب و نور محمد ولی خلد مکان۔
1167
بناز مصرع تاریخ تازہ شد صابر
ہوا ز خلد وزیدہ بطرف مرقد آن

1161ھ میں مخدوم محمد معین 'بیراگی' فوت ہوئے تو میر محمود صابر نے ٹھٹہ میں اردو شاعری کا چراغ روشن رکھا۔ پر سرام فارسی کے شاعر تھے اور 'مشتری' تخلص اختیار کرتے تھے۔ انہیں اردو، ھندی میں شعر کہنے کا شوق ہوا تو انہوں نے میر محمود کے سامنے زانوے تلمیذ تہہ کرکے 'بیر بل' تخلص اختیار کیا۔[1]

1169-1174ھ میں جب کہ میر علی شیر قانع نے اپنا تذکرہ "مقالات الشعراء" مرتب کیا، میر محمود صابر کا شمار ٹھٹہ کے معزز اور باوقار لوگوں میں ہوتا تھا۔ صابر کی شعری کاوشوں کے بارے میں میر علی شیر قانع لکھتے ہیں:

"اکثر شہداء کی مرثیہ خوانی میں مشغول رہتے ہیں۔ ھندی اور فارسی میں متعدد دیوان، مرثیے، غزلیات اور مناقب لکھ چکے ہیں۔ روضۃ الشھداء کو بھی منظوم کیا ہے۔ سرعت فکر کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت تک تقریباً ایک لاکھ اشعار ان کی زبان وضاحت بیان سے نکل چکے ہیں اور ان کا کلام کافی مقبول ہے۔ یہ تخلص یعنی 'صابر' ان کو خواب کے ذریعے حاصل ہوا"۔[2]

---

[1] مقالات الشعراء (مشتری) [2] مقالات الشعراء (صابر)

ہمارے سامنے صابر کا ایک اردو دیوان موسوم بہ "شوق افزاء" موجود ہے جس میں شامل کلام کے انتخاب کی تکمیل 1181ھ میں ہوئی۔ ظاہراً یہ دیوان ان کے آخری دور کی تصنیف ہے۔

شوق تاریخ تھا ز نو دیوان ۔۔۔ تا رہے دوستاں کے پاس نشان

1181ھ میں وہ پیر مرد تھے۔ دیوان کے خاتمہ میں خود کہتے ہیں:

وقت پیری ہے دستگیری کر ۔۔۔ راہِ باقی دکھا کے پیری کر

اگر اس وقت ان کی عمر کم از کم 65 برس مانی جائے تو ان کی ولادت اندازاً 1115ھ کے لگ بھگ ہوگی۔ اور قیاس ہے کہ 1185ھ تک زندہ رہے ہوں۔

بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں جن لوگوں نے سندھ میں اردو شاعری کا بول بالا کیا ان میں میر محمود صابر کا نام نمایاں ہے۔ ٹھٹہ میں 1161 تا 1181ھ کا دور میر صابر کا دور کہا جا سکتا ہے۔ ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں۔ ولی فوت ہوئے اور میر محمود صابر جوان ہوئے گویا میر محمود کو متقدمین شعرائے دھلی کا ہمعصر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ 1151 تا 1165ھ، میاں نور محمد عباسی کے دور حکمرانی میں صابر، ٹھٹہ کے زمرہ شعراء میں اعلیٰ مقام حاصل کر چکے تھے۔ یہ دور ولی کے وفات کے تقریباً تیس برس بعد شروع ہوتا ہے۔ میر صابر کے زمانے میں ولی کی شہرت گجرات سے سندھ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کی شہادت خود صابر کے کلام سے ملتی ہے۔ ولی کا کلام ان کی نظر سے گذرا تھا۔

سن ریختہ ولی کا دل خوش ہوا ہے صابر
حقا ز فکر روشن ہے انوری کے مانند

ولی کے تقدم اور شاعرانہ کمال کو مانتے ہوئے صابر بجا طور پر اپنے متعلق کہتے ہیں:

گر ریختہ ولی کا لبریز ہے شکر سوں
مضمون شعر صابر قند و شکر تری ہے

ہندوستان سے جو شاعر ٹھٹہ میں آتے تھے ان کی زبانی صابر کو یہ معلوم ہوتا تھا

کہ ان کے اشعار سندھ سے باہر دکھن تک مشہور ہو چکے ہیں۔ کس مزے سے کہتے ہیں:

صابر سنا ہوں قافیہ سبحانِ ہند سوں
تجہ ریختہ کی دھوم پڑی ہے دکھن میں جا

اس میں کوئی شک نہیں کہ صابر بارھویں صدی کے نصف آخر میں اردو کے ایک باکمال شاعر تھے۔ دیوان "شوق افزا" کے موجودہ نسخہ میں ان کے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے جس میں چھ سو سولہ غزلیں ہیں۔ چند غزلیں یہاں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

تجا ہے جب سوں دل نے گلبدن کارن دیار اپنا
چو بلبل ڈھونڈتا ہے باغ اپنا گلعذار اپنا
ز حیرت دیدہء حیراں نہ کھولوں غیر کے مکھ پر
چو آئینہ بچشم شوق دیکھوں گر نگار اپنا
منم وہ قمری شیدا کہ اس سرو خراماں بن
جلاؤں نالہء دل سوں چمن اپنا بہار اپنا
چو ذرہ لگ رہوں خورشید عالم تاب کے پگ سوں
جو اس کی راہ پر دیکھوں غبار اپنا وقار اپنا
سوالی ہیں ترے درسن کے مشتاقان کیا ہورے (۱)
کہ ہنس ہنس دیوے گھونگھٹ کا تصدق یادگار اپنا
شرابِ بیخودی دے دے مرا غم دور کر ساقی
کہ تجھ کوں بوجھتا ہوں مونس اپنا غمگسار اپنا
نہ کھولوں رات دن خورشید مہ اوپر نظر "صابر"
چندر مکھ سوں دکھوں روشن جو چشم انتظار اپنا۔

—

آ نور ہو در دیدہ و دل چشم و نظر کا
تجہ مکھ کے اوپر وار سٹوں گنج گہر کا

---

(۱) "کیا"، سندھی لب ولہجہ میں استعمال ہوا ہے

حیراں ہے ترا موے میاں دیکھ مصوّر
کس تاب سوں وہ پیچ لکھے موئی کمر کا
تجہ لب کے مٹھائی کی چکھی چاشنی جس نے
شربت اسے تریاق ہوا قند و شکر کا
آئینہ میں مت دیکھ لٹاں چھوڑ کے مکھ پر
تا برج میں عقرب کے نہ دور آوے قمر کا
دھج چھور کمر کوں نہ کسیں شرم سوں بانکے
گر بات چلے بزم میں موھن کی اکر کا (1)
گر ہجر کی شبہا میں لیوے چشمہء دل جوش
گنگا ہو بہے اشک مرے دیدہء تر کا
ہر آہ مرا ناوکِ فولاد ہے صابر
ہوویگا کیاَ حال رقیباں کے جگر کا (2)

—

چاند سا دیکھ مکھ سُریجن کا
ترک دیکھن کیا ہوں درپن کا
راج کرتا ہے عشق بازی میں
جس نے پایا ہے دان درسن کا
کیوں نہ دل کوں صنم پرَست کرے
کفر کی لٹ دکھا برَہمن کا
بس چڑھایا ہے دل کوں ڈس ڈس کے
گھاؤ کاری ہے لٹ کی ساپن کا
جب سوں بچھڑا ہے ہم سوں من موہن
ہر نفس زہر ہے مرے تن کا

---

(1) موھن کی اکر کا، یعنی غرور کا (2) "کیا" کا تلفظ مقامی سندھی محاورہ کی رو سے ہے

کیوں نہ کاری گھٹا میں مینہ برسے
موسم آیا انجھوں کے ساون کا
من کے مِنکے کوں میں کیاؔ درپن
نانو جَپ جَپ رسیلے موھن کا
تجھ تماشا سوں اے بہارِ نظر
ہوا آئینہ زیب گلشن کا
دل پپیہا ہے یاد میں تیرے
سیر کر ڈال ڈال بَن بَن کا
ماہرویاں کے عشق کا "صابر"
مجھ کوں چسکا پڑا ہے لڑپَن کا

تجھ زلف کے بچھوں کو پکر کون سکیگا
اس زہر بھری لٹ کوں جکر کون سکیگا
ابرو کی کماں کھینچ جو توں کھولیگا گھونگھٹ
پلکاں کے خدنگ آگے ٹھہر کون سکیگا
ہیں کاتبِ قدرت خطِ یاقوت کے حیراں
تفسیر ترے حسن کی پر کون سکیگا
تجھ چیرّہ کی نک دیکھ کلی شرم سوں بانکی *
اُس طرّہ کی کج دیکھ اکر کون سکیگا
ہے فتنہ گری کام تیری شوخ نگہ کا
غمزہ کے مقابل ہو جھکر کون سکیگا
ہر موج ہے تجھ عشق کی دریاؤ کی خونخوار
غیر از کششِ شوق کے تر کون سکیگا

---

* نک = نوک

تا عمر ہی تجھ در کے بکھاری ہو رہینگے
اغیار سوں ہر بات میں لڑ کون سکیگا
"صابر" ہے ترے عشق میں مشہور وگرنہ
تجھ نیہہ میں دم عشق کا بھر کون سکیگا

—

کچھ سکھا شاہین نگہ کوں دل اوپر کر کر کے چوٹ
مشق خونریزی کرے ہے ناز سوں گھونگھٹ کے اوٹ
عیدِ قربان مجھ ہووے وہ دن کہ تجھ پگ پر ز شوق
سر فدا کر کر اتاروں بہار کا کاندھے سوں پوٹ
توں نہیں ملتا ہے ہنس ہنس آج مجھ سوں اے سجن
اب ہوا معلوم مجھ کوں کچھ ترے ہے من میں کھوٹ
جس نے کھائی ہے تری پلکاں کی دل اوپر سناں
تجھ قدم پر جان فدا کر کر گرے ہے لوٹ لوٹ
کیوں نظر تجھ چاند مکھ پر عاشقاں کی پر سکے
زلف کے خط کی گھٹا نے ہر طرف باندھا ہے کوٹ
آوٹنے کی گر لے آوے میرے موہن کی خبر
تجھ کوں اے قاصد کھلائوں گھی شکر سوں آج روٹ
نقد دل دے عشق کا سودا کیا ہوں صابرا
حق کی رحمت سوں نہ آویگا مرے سودا میں ٹوٹ

—

رام ز من ہو نہ ہو مجھ سوں جدا ایک پل
ساتھ مرے آ نہ آ ہٹ اوپر اے مہ شکل
مجھ سوں کبھی مل نہ مل میرے رقیباں کے نال
درس مجھے دے نہ دے وعدہ کہ آ آج و کل

بات مری سن نہ سن غیر کے جھوٹے بچن
گھر میں مرے چل نہ چل اپنے کہے پر چنچل
یاد وفا لے نہ لے جور و جفا کا طریق
دل میں مَیا رکھ نہ رکھ بغض کہ ہووے خلل
گل سوں مرے لگ نہ لگ اور کے کہنے اوپر
کس نے کہا جا نہ جا ہمرہ اہل دغل
دل میں گذر کر نہ کر اور طرف کا خیال
نور نظر رہ نہ رہ چشم سوں دور ایک پل
اوّل شب سو نہ سو آخر شب صابرا
ذکر کا پھل لے نہ لے نیند کا آنکھوں میں پھل

—

اسیر حلقہء زلف رسا ہوں
چو دل آشفتگی سوں مبتلا ہوں
چو آئینہ چندر مکھ جلوہ گر دیکھ
ز حیرت محوِ نورِ کبریا ہوں
نہ ہوں بیگانہ کیوں خلق جہاں سوں
سُریجن کے مَیا کا آشنا ہوں
خمِ زلفِ شکن کے بوسہ کارن
کبھی شانہ کبھی بادِ صبا ہوں
گل و بلبل ہیں خوش میری صدا سیں
ز بس از شوق گلرو خوش نوا ہوں
بہار رنگ و روئے عاشقاں دیکھ
چو گل مشتاقِ رنگ کہربا ہوں
اگرچہ رند ہوں در عشق خوباں

ولے خوش ہوں کہ مست و بے ریا ہوں
کوئی زاہد کا کوئی شیخ کا ہے
شہ معجز نما کا میں گدا ہوں
کبھی خوش ہوں ز شوق وصل صابر
کبھی نا خوش ز ہجرِ دلربا ہوں

—

نہیں دیکھا ہے جس نے دن کوں خورشید و ستارے کوں
گھونگھٹ کی جوت میں دیکھے سجن کے گوشوارے کوں
نَین کا نور دل کا حرز و تن کا جیوء کر راکھوں
بکام خویشتن پاؤں جو من موہن پیارے کوں
تماشہ لالہ و گل کا سُریجن کوں نہ خوش آوے
ز داغ عشق دکھلاؤں اگر دل کے ہزارے کوں
نہ ہوتا تھا جدا جوں نور مجھ انکھیوں سیں یک ساعت
نہ جانوں کس نے برمایا مرے حق کے سنوارے کوں
بچارے مرداں کا گھر کیاَ شک ہے کہ بہہ جاوے
ز جوشِ چشم و دل کھولوں انجھوں کے گر پُہارے کو
جگر ہے شمع و تن فانوس ہے ہجراں کی شبہا میں
ہووے پروانہ دل جَل بَل نکالوں گر شرارے کوں
گُہر انجھوں کے قربان کر لٹاؤں اس کے پگ اوپر
جو کوئی وصل کی بتیاں سناوے مجھ بچارے کوں
رکھے جو عشق کے دریا میں بے مرشد قدم صابر
بہت مشکل ہے گر پہنچے سلامت اس کنارے کوں

—

پیم کے گھاؤ آج رستے ہیں
سرخ انجھوں کے مینہ برستے ہیں
چین کب آوے ان کوں سیج اوپر
جن کے پردیس پیو برستے ہیں
جیوء نا ان کوں زہر قاتل ہے
زلف کے ناگ جن کوں ڈستے ہیں
مکھ سوں گھونگھٹ اٹھا کہ مشتاقاں
دیکھنے کوں ذرس ترستے ہیں
قیمت ناز و غمزہ کر سو جاں
کہ کہیں عشق باز سستے ہیں!
دل مشتاق کھاوتی ہے لچک
ماہرو مو کمر جو کستے ہیں
خوبرویاں کوں دل نہ دے صابر
طعنہ بیدرد دے دے ہنستے ہیں

—

مرا دکھ پوچھنے آوے سجن گر مہربانی سوں
بلئیاں لیئوں اس کے سر کی اٹھ اٹھ ناتوانی سوں
تصدق جاں کریں مشتاق جوں فرہاد پل پل میں
اگر شیریں بچن ہنس ہنس کے بولے قدردانی سوں
سنا ہوں خضر کی معجز زبانی سوں کہ عاشق کوں
وصالِ یار بہتر ہے حیاتِ جاودانی سوں
زلیخا وار پیری میں ملی مجھ عشق کی دولت
جوانی میں لگایا نیہہ جب یوسف کے ثانی سوں
کرے جوں بانسلی گر نالہء و فریاد برجا ہے

پرے سوراخ جس دل میں فراقِ یارِ جانی سوں
زداعِ عشق میرا دل ہوا ہے جب سوں گلزاری
مرے رخسار کی زینت ہے رنگ زعفرانی سوں
لیا ہے ہر کسی نے توشہ صابر راہِ باقی کا
محبت شاہ کی میں لے چلا ہوں ملک فانی سوں

—

دیتا ہے بادہ ساقی مینای آتشی سوں
رکھتا ہے مست دل کوں گلرنگ بے غشی سوں
مشتاق کی منوّر ہووے نظر جُو درپن
گھونگھٹ اُلٹ دکھاوے گر چاند مکھ خوشی سوں
قمری کا نالہ سن سن شمشاد و گل ہے مائل
کب تک توں خم نہ ہوگی چوں سرو سرکشی سوں
مِٹھلونی تیری بتیاں بھاتی ہیں مجھ سَلُونی
خوش رہوے گر سناوے ہنس ہنس نمک چشی سوں
ظاہر ہے تجھ چرن سوں ہر چند دور صابر
رہتا ہے پاس تیرے باطن میں دلکشی سوں

—

ستیاں کا عشق دیکھ کے جلتی ہیں آگ میں
شاید لکھا ہے دھر سیں یہی ان کے بھاگ میں
کل رات سوں ہے رقص میں دل میرا شوق سوں
سن سن کے "یار یار" مغنّی سوں راگ میں
شب زندہ رکھ کہ صبح کا دیکھے ظہور و نور
سووے گا کب تلک کہ کمائی ہے جاگ میں
زاہد کی دیکھ گنبذِ دستار بھول مت

مکر و ریا کی پوٹ ہے سب اس کی پاگ میں
صابر مجھے قبول ہے کچکول فقر کا
الواں مزہ ہے جو کی چپاتی و ساگ میں

—

ہنس ہنس دکھا کے لالہ عُذار آرسی کے تئیں
مت کر ز داغ عشق فگار آرسی کے تئیں
پھولن کے ھار ڈال کے موتن کی مال پر
زیور کا کر سنگار و سنوار آرسی کے تئیں
جھلکار سوں گھونگھٹ میں دکھایا ہے کیا ظہور
تجھ دَرس بن نہیں جو قرار آرسی کے تئیں
سُنبل کی شاخ چھور کے خورشید رو اوپر
کر گلشن نگہہ سوں بہار آرسی کے تئیں
جب تک گھونگھٹ اُلٹ کے نہ دکھلاوے چاند مکھ
ہرگز نہ جاوے دل سوں غبار آرسی کے تئیں
سرشار دیکھ تجھ نگہ نشہ بخش کوں
ہے دیکھنے کا دل میں خمار آرسی کے تئیں
زلفاں کی لٹ کوں کھول کے چندر سے مکھ اوپر
کر غمزہ و ادا سوں شکار آرسی کے تئیں
دیکھا ہے جب سوں مہ رُخِ دلدار در نقاب
ہے چشم و دل کے آگے اندھار آرسی کے تئیں
مجلس میں دیکھ غیر کے گلرو کوں صابرا
ہے چشم و دل میں ہر مژہ خار آرسی کے تئیں

—

سن کے موھن سوں خوش جوابِ سخن
دل ہوا میرا کامیابِ سخن
اہلِ معنی پسند کرتے ہیں
تازہ مضمون و انتخابِ سخن
خوش ہووے نغمہ ھای رنگیں سوں
من ھَرَن گر سنے ربابِ سخن
فیض پاوے ز شہر علم کمال
ہر کہ از صدق پُوجے بابِ سخن
نَو خط اُس مصحفِ جمالی کا
نقش دل ہے ز آب و تابِ سخن
نئے مضمون سوں خوش رکھوں خاطر
گر ملے شوخ بے حجابِ سخن
کیا عجب ہے کہ گوشوارہ کرے
وہ سخنداں دُرِ خوشابِ سخن
شعر سن سن کے خوش ہووے موھن
کھولوں گر عشق کی کتابِ سخن
سرّ کوء و بکو ہووے ظاہر
صابرا گر اٹھے نقابِ سخن

—

چھوڑا ہے جب سوں زلف کا دل نے شِکَن شکن
آشفتہ رات و دن ہے ز شوقِ وطن وطن
پایا نہ چاند مکھ کے مقابل کا دلربا
سب ہند و سند دیکھ کے ڈھونڈا دکھن دکھن
گھونگھٹ اٹھا کے جب سیں دکھایا ہے ماہ رو

روشن ہیں عاشقاں کے چو درپن نَین نَین
کس سرو خوش خرام کی شیدا ہے فاختہ
کو کو پکارتی ہے کہ پھر پھر چمن چمن
تجھ غنچہ لب کی غنچہ کرے گر برابری
اس کا کرے نسیم پر از خوں دَہن دَہن
دے دے شکنج زلف کوں بادِ صبا کے ساتھ
یوں مت لٹاؤ نافہء مشکِ ختن ختن
صابر کی آرزو ہے کہ از شوق رات و دن
رہوے ترے حضور میں پوجے چرن چرن

—

رہیں کل رات کی اب تک جو تجھ رہ میں کھلی اکھیاں
انجھوں کے جوش سوں گنگا ہو جمنا بَہہ چلی اکھیاں
بِرہ کی رَین میں دل دیکھ روشن غم کی آتش سوں
انگاروں کے اوپر تا صبح تجھ بن تلملی انکھیاں
ہوا جب سوں جدا توں مجھ نظر سوں اے گلِ خوبی
جگر پر داغ کھا جوں لالہ خوں رو رو کلی انکھیاں
نہ چندر دیکھتی ہیں نے ستارے برہ کے دکھ میں
کہ ہیں تجھ وصل کی شبہا میں درسن کی پلی اکھیاں
کیّا ہووے کبھی نورِ نظر بخشے، کہ صابر نے
رکھیں ہیں تیرے دیکھن کوں چو دَرپَن صیقلی اکھیاں

—

گھونگھٹ میں چاند مکھ ڈھانپو گے کب لگ اے سجن سمجھو
ترپتے ہیں دَرس کوں پاکبازاں کے نَین سمجھو
رقیباں ساتھ ملنا سیر کرنا باغ میں جانا

نہیں لایق کہ گلرویاں کی خواری ہے سجن سمجھو
مبادا نہ گس بیمار و گل کی چشم بد لاگے
نہ جاؤ ہر گھری گلزار میں شہلا نَین سمجھو
مُقیشی باندھ کے نکدار پھینٹا گھر سوں مت نکلو
کہ عاشق آپ میں کٹ کٹ مرینگے من ھَرن سمجھو
نہیں آشفتگی کی تاب دلہائی پریشاں کوں
صبا کے ہاتھ مت دو حلقہء زلفِ شکن، سمجھو
دلاں میں عُقدہء مشکل پرے ہیں عشق بازاں کے
کرو حل من کی گھُڈی کھول کے، پِیسہ دَھن سمجھو
دَرَس کے شوق ہے صابر مقیم کلبہء احزاں
چندر مکھ سوں کبھی روشن کرو بیت الحُزن سمجھو

—

نَین دریا ہووے رو رو، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
بہر گنگا و جمنا ہو، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
پتنگ و شمع نِت آویں، برہ کی آگ سلگاویں
دل و جان میرا بھرکاویں، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
پیا بن جو بنا روسے، برہ خوناب دل چُو سے
غم و اندوہ گھر مُوسے، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
دَرَس کوں چشم و دل ترسیں، انجھوں کی بدلیاں برسیں
اٹھیں آہ و فغاں گھر سیں، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
نظر دیدار کوں بھٹکے، ملن کوں جیوءرا پھٹکے
عجب ہیں عشق کے لٹکے، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
نہ پوچھے کوئی دکھ میرا، چندر مکھ بن ہے اندھیرا
الم نے غم نے آگھیرا، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

کہوں گر درد و دکھ اپنا، چھپاوے شوخ مکھ اپنا
تجاہوں چین و سکھ اپنا، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
چمن میں قمری و بلبل، خزاں نے دیکھ سرو و گل
سناتے ہیں فغان و غُل، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو
خوشی رہ صابر و خورّم، فراق وصل میں ہر دم
اگر ہے عیش یا ہے غم، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

کوئی من ھرن کوں جاں کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی دیں کہے ایماں کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی دلربا جانی کہے، کوئی یوسفِ ثانی کہے
کوئی حرزِ ایمانی کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی وارث منبر کہے، کوئی ساقی کوثر کہے
کوئی حیدرِ صفدر کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی تازہ رو کوں گل کہے، کوئی زلف کوں سنبل کہے
کوئی خال کو بلبل کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی لالہ رخساری کہے، کوئی چہرہ گلناری کہے
کوئی زیبِ گلزاری کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی مجھ کوں کہوے ہے گدا، کوئی کہوے ہے شہ پر فدا
در سن کا رکھتا ہوں صدا، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی عشق کا مجنوں کہے، کوئی خستہ و محزوں کہے
کوئی صابر ہاموں کہے، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

■

میر حفیظ الدین 'علی'

(1120؟-1190ھ؟)

میر حفیظ الدین بن میر حافظ الدین، میر حیدر الدین ابو تراب 'کامل' کے بھتیجے تھے، اور 'کامل' کے تمام کمالات آپ کی ذات میں موجود تھے۔ میر حفیظ الدین نے اعلیٰ طبیعت پائی تھی۔ 'علی' تخلص تھا۔ میر علی شیر قانع کی رائے میں 'ہندوی' شاعری میں 'علی' گویا خسرو ثانی تھے اور ایہام گوئی میں ان کو کمال حاصل تھا:

"اغلب کلام وی در ھندوی طرز ایہام واقع، اما چہ ایہام کہ از دو سہ و چہار و پنج معنی ہم گاھی گاھی تجاوز دارد۔"*

یعنی کہ "ھندی" (اردو) میں ان کے کلام کا بیشتر حصہ صنعت ایہام پر مشتمل ہے، اور ایہام بھی ایسا کہ جس میں دو دو چار چار بلکہ پانچ پانچ معانی سے بھی زیادہ پائے جاتے ہیں۔

قانع نے آپ کے "دو بیت ایہام ھندوی" نقل کئے ہیں جو کہ ان کی رائے میں "عام فہم" ہیں، حالانکہ اس وقت ان کا سمجھنا اتنا آسان نہیں۔

(1)

آچار ہوا کھٹّا ، پاپڑ بنی ہے مچھّی
سر کہ بنا تو آکے سونی سلونی اچھی! **

ظاہر میں تو آچار کھٹا، مچھلی اور سلونی (نمکین) کے الفاظ کھانے پکانے سے تعلق رکھتے ہیں، مگر صنعت ایہام کی وجہ سے اس شعر کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ:

---

* مقالات الشعراء، ص ص 181-182 (198- حفیظ الدین)

** مطبوعہ متن میں اصل الفاظ: 'لینی ہے' اور 'سوئی سلونی'

(محبت کا) معاملہ (آچار) اتنا بڑھ گیا ہے کہ میں جو مثل ماھی بے آب
تھا وہ اب پاپڑ کی طرح خستہ بن گیا ہوں۔ اب اے حسن ملیح والی محبوبہ! تو
آ کر مجھ کو اپنے راز (سر) والا بنا دے!

(2)

پیلی ہے کیوں کناری سونا نہیں مہر کا
چونی بجھی ہیں باتیں، موتی تو دیکھ لرکا *

پیلی کناری، مہر کا سونا، چونی (دوپٹہ) اور لرکا موتی لباس کی زیبائی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر از روء صنعت ایہام اس شعر کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ: اے حسین محبوبہ! تیرے رخ کا رنگ سنہری ہے حالانکہ وہ سونا نہیں ہے۔ تیری باتیں جو مونہہ سے نکلتی ہیں وہ چونے میں بجھی ہوئی یعنی سخت اور تیز ہیں، مگر ان کے بالمقابل اپنے موتیوں جیسے سجے ہوئے دانت تو ملاحظہ فرما (کہ ایسے موتی مثل زیب دار دانتوں سے ایسی باتیں کہیں زیب دیتی ہیں!)

■

* مطبوعہ متن میں اصل الفاظ: 'چونی پھوچی ہے باتیں'

روحل فقیر

(1132؟-1194؟)

روحل خان بن شاھو خان 'زنگیجہ' بلوچ خانو ادے کے چشم و چراغ تھے جو بلوچوں کے 'جتوئی' قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ ان کے والد شاھو خان سندھ کے کلھوڑہ (عباسی) خاندان کے سربراہ میاں دین محمد (المتوفی 1111ھ) سے وابستہ تھے۔ بعد میں ترقی کر کے ان کے امراء میں داخل ہوئے اور میاں نور محمد کی تخت نشینی (1131ھ / 1719ء) کے بعد شاھو خان عمر کوٹ کے علاقے میں متعین ہوئے۔ انہوں نے "پدماد جی بھٹ" [1] گاؤں میں سکونت اختیار کی، جہاں پر سنہ 1132ھ کے لگ بھگ ان کے صاحبزادے روحل خان پیدا ہوئے:

سیلے سَگی، ست ساتھی، پر گھٹ آئے
پور نماس چکورا آیا، گھر شاھو کے پائے
(روحل)

روحل خان کو اُس زمانے میں دستور کے مطابق اچھی تعلیم ملی۔ سنہ 1130ھ میں میراں پور (عرف "جھوک" موجودہ ضلع ٹھٹہ) کے مشہور صوفی بزرگ شاہ عنایت اللہ کو حکومت کے کارپردازوں نے شہید کروادیا تھا۔ روحل خان کے عنفوان شباب میں اس بزرگ کی شہادت کے حادثے کا بڑا چرچا تھا۔ صوفی شہید کے دو فرزند سلام اللہ شاہ اور عزت اللہ شاہ اپنے وقت کے صوفی درویش تھے اور روحل خان ان کی طرفِ روحانی تربیت کے لئے رجوع ہوئے۔ وہ میراں پور میں جاکر شاہ عنایت اللہ کے مزار پر معتکف ہوئے،

---

[1] یعنی 'پدماد کا ٹیلہ'۔ یہ گاؤں عمر کوٹ اور کھاروڑے کے درمیان واقع تھا۔ اب تک وہاں ایک پکا کنواں باقی ہے جو 'روحل جی وان ء' (روحل کا کنواں) کے نام سے مشہور ہے۔

اور ان کے فرزند صوفی عزت اللہ کے حلقہء ارادت میں داخل ہوگئے۔ دوسرے بھائی صوفی سلام اللہ جب سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے "تھر" کی طرف سیر و سیاحت میں مشغول تھے تو غالباً ایک عرصہ تک روحل فقیر بھی ان کے ساتھ رہے۔ اس خطے کے عوام نے ان کی بڑی عزت کی اور یہاں رہ کر انہوں نے ڈھاٹکی، مارواڑی اور ھندی زبانوں میں بھی اچھی خاصی استعداد حاصل کرلی۔

میاں غلام شاہ عباسی کے دور (1161۔1186ھ) میں روحل خان کو ان کے والد کی خدمات کے صلے میں سرکاری عہدے پر فائز کیا گیا اور وہ توشہ خانے کے مہتمم مقرر کردئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب وہ اس عہدے سے مستعفی ہوگئے تو ان کو جیسلمیر، جودھپور اور بیکانیر کے علاقے میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں میں ان کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور وہ وہاں کی زبانوں پر بھی حاوی تھے۔ روحل خان نے اپنے منصب کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ روحانیت کا پیغام بھی ان خطوں کے راجاؤں اور عوام تک اپنی ہندی شاعری کے ذریعہ پہنچایا۔ جودھپور کے راجا بجیہ سنگھ ان کی دانشمندی اور درویشانہ صفات سے متاثر ہوئے اور روحل خان کو ایک مدت تک جودھپور میں رکھا۔ اس عرصے میں درباری پنڈت ایسر سنگھ اور دوسرے پنڈتوں سے ان کے مناظرے ہوتے رہے۔ راجا بجیہ سنگھ کے دربار میں پنڈت ایسر سنگھ نے جو ان سے سوالات کئے، ان کو اور اپنے جوابات کو روحل خان نے 'اگم وارتا' کے عنوان سے منظوم کیا۔

جودھپور میں قیام اور ان اطراف میں سیر و سفر کے دوران متعدد رجواڑے اور وہاں کے عوام روحل خان کے معتقد ہوگئے۔ بالآخر وہ اپنے مرشد صوفی عزت اللہ اور صوفی سلام اللہ شاہ سے دوری کو برداشت نہ کرسکے اور اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر میر ال پور پہنچے۔ کچھ عرصے کے بعد صوفی سلام اللہ شاہ اپنے آبائی وطن میر ال پور عرف جھوک کو خیر باد کہہ کر سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے میں 'ڈیرا تھر' کے ٹیلہ (حدود خیر پور) پر آکر ہمیشہ کے لئے سکونت پذیر ہوگئے اور وہیں وفات (25۔ذی الحج۔ 1183ھ) پائی۔ غالباً اسی وجہ سے روحل فقیر بھی اپنے عزیزوں کے ساتھ 'پدماد کے ٹیلہ' کو چھوڑ کر 'کوٹلہ' (ترد کوٹ ڈیجی، حدود خیر پور) میں آباد ہوگئے۔ پھر وہاں سے منتقل ہو

کر 'کنڈڑی' میں سکونت اختیار کرلی۔12۔ جمادی الثانی 1187ھ کو ان کے مرشد عزت اللہ شاہ نے دائمی اجل کو لبیک کہا، تو روحل فقیر کنڈڑی میں گوشہ نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے، جہاں پر سنہ 1194ھ کے لگ بھگ وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

روحل نے اپنے شاعری کو تزکیہ نفس، توحید، نفی و اثبات اور ہمہ اوست کے نظریوں کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ سرائیکی ان کی مادری زبان اور سندھی قومی زبان تھی ۔ ان دونوں زبانوں میں انہوں نے "بیت" اور "کافیاں" کہیں۔ چونکہ روحل نے ایک مدت تک سندھ کے ریگستانی علاقہ "تھر"، جیسلمیر اور جودھپور میں سیاحت کی تھی، اس لئے وہاں کی ہندو قومیں خصوصاً میگھواڑ اور راجپوت ان کے مرید ہوگئے۔ اپنے ان معتقدوں کی رہنمائی کے لئے روحل نے "ہندی" میں شاعری کی اور ہندی رس کے دوھا، چو-پائی، شبد وغیرہ تمام اصناف میں شعر کہے، جن کو "اگم وارتا"، "سرب گیان"، "من پربودھ" اور "ادبھت گرنتھ" وغیرہ عنوان کے تحت ایک ضخیم جلد میں جمع کیا گیا ہے۔ *

روحل نے اپنے ہندی کلام میں توحید اور تصوف کے نکات کو اجاگر کیا ہے۔ خطہ سندھ میں روحل غالباً پہلا شاعر ہے، جس نے "ھمہ اوست" کے جذبے سے متاثر ہو کر "خودی" کا نعرہ بلند کیا۔ اس سلسلہ میں وہ سچل کے پیش رو ہیں۔ روحل کہتے ہیں:

باپ میرا شاہو ناہیں ، اس گھر ناہیں مات
جنمے ہم جایا نہیں، کال ورن نہیں جات

—

نہیں 'روحل' نہیں ذات زنگیجہ
اے کو سرّ اِلٰہی ہے

سلوک اور شاعری میں وہ "کبیر" کے مقام سے بخوبی واقف تھے اور خود

* جس میں روحل، مراد اور اس خاندان کے دوسرے شعراء کا کلام شامل ہے۔ اندازاً 1920ء کا لکھا ہوا۔ ایک نسخہ بندے نے سنہ 1944ء میں سجادہ نشین فقیر غلام علی کے یہاں "کنڈڑی" میں دیکھا تھا۔ روحل کے سندھی اور سرائیکی کلام کا کافی حصہ کتاب 'کنڈڑی وارن جو کلام' (سندھی ادبی بورڈ) میں چھپ چکا ہے۔

کو "کبیر" کا ہمسر سمجھتے تھے۔ ایک شبد میں کہتے ہیں:

مطلع: ہوں میں سَکل سَکل سوں نیارا
میں داس کبیر کہایا...

مقطع: کہت روحل ہم روحل ناہیں
کبیر روپ ہمارا

یہاں پر ہم روحل کے ہندی کلام سے کچھ انتخاب دے رہے ہیں:

صفت کرو سبحان کی، جو آد انت مدھ ہوء
سو ایک ایک اکھنڈ ہے اور نہ دوجا کوء

—

ایک ہی اکھر اَرتھ لے، نہیں کوئی اکھر انیک
اے من بھولا مت پھرو، ہے انت جگ گرو ایک

—

جنم جنم کا دکھ مٹا، اور جنم جنم کو پاپ
سبھ تن پاون ہو رہیا، جب درسیو آتم آپ

—

'الف' ایک الکھ ہے جوئی سب گھٹ بھیتر دیکھیا سوئی
جیاں دیکھوں تیاں نرمل نور سَرب نرتر ہے بھرپور
'ب' بادل بن برسے دھار بجلی چمکے انت اپار
پیوے امرت پریمی پورا پہنچے تیاں کوئی ورلا سورا

—

لکھ بید پران انیک پڑھے سَت سنگ بنا رنگ لاگے ناہیں
سو محب کا مکھ نا دیکھ سکے جو دوئی کی نیند سے جاگے ناہیں
نَل یار وصال نہ تھیوے جیہی موہ کے روگ کو تیاگے ناہیں
'روحل' مشق میدان محبت، سورھیہ سومڑ بھاگے ناہیں

—

اپنا روپ پہچان، سَمجھ مَن درسن پیھی

جیسے شنگھ آجا سنگ ڈولے   آپ نہ چینے بھری بھولے

جانت ہوء آجان

کھستوری بس مرگھ کے مانہیں   بَن ٹھَنَ ڈھونڈھے سونگے تا نہیں

ہوء رہیا حیران

جن تم کو نشچے کر جانیا   رمتا رام سَکل گھٹ مانیا

سو سادھو پروان

تین لوک میں تمرا واسا   کاہے پھرت ہوء اُداسا

جان سکے تو جان

میری پریت صاحب سنگ لاگی   'روحل' بھیت بھرم کی بھاگی

آتم میں غلطان

—

ستگر جی میں سرن تمہارے آیا

من میں ممتا رہی نہ کائی، درد مٹیا سکھ پایا

گیان سورج گھٹ نیتر ہویا اکھنڈ جوت رنگ لایا

جس کارن جگ پھرت اداسی سو گھٹ نیتر پایا

جنم مرن کا سنسا بھاگا چیتن سون چت لایا

پارس سے جب پرچا لاگا لعل امر بھئی کایا

اگم دیس کو انتر مارگ ستگر موہ بتایا

'روحل' رتن امر لک ملِیَا ، بھاگ پرابت پایا

—

کاہے پھرو بنواس
شبد کی سادھو کر سمرنا، بچن کا کر پاس
بھؤ ساگر پار ترن کو، جپ ساسوں میں ساس
کوئی بھرت سکے مانہیں، کن کوں گنگا پاس
شنگھ بھوکا جے پھرے، مول نہ کھاوے گھاس
تیرا صاحب تجھ ہی مانہیں، تم تجو اور آس
سر دیۓ صاحب ملے، اچرج اچنبا ہاس
سنگر 'روحل' ہم کوں ملیا، کٹی جسم کی پھاس
دن میں رین میں مجھ کو رہیئے تیرے چرن کی پیاس

■

مراد فقیر زنگیجہ
(1142؟-1211؟)

مراد خان بن محمد حیات 'زنگیجہ' بلوچ تھے۔ ان کی ولادت سنہ 1142ھ (1729ء) کے لگ بھگ 'پدماد جی بھٹ' (پدماد کا ٹیلہ) گاؤں میں ہوئی۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی اور سندھی علاقائی۔ فارسی میں بھی تعلیم حاصل کی اور قریبی ماحول کی وجہ سے مارواڑی اور ہندی جانتے تھے۔

مراد خان اپنے رشتہ دار روحل خان سے بہت محبت کرتے تھے، اور غالباً ان کا اور روحل خان کا ایک ہی خاندان تھا۔ البتہ وہ روحل سے عمر میں چھوٹے تھے۔ دونوں نے 'پدماد کے ٹیلہ' کے ریگستانی گاؤں میں پرورش پائی تھی اور ایک مدت تک یہ ان کا وطن رہا۔ ان صحبتوں کی مسرتوں کی یاد میں مراد کی ایک سندھی بیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ:

ور پُسي پدماد جي، ٻن هٽي هالار
جي هُونِ هيڪاندا يار، تہ ڏکيا ڏينهن نہ ساريان

یعنی "پدماد کے کریڑوں کے پھول زیادہ خوش ذائقہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہالار علاقہ کی اشیاء ہیچ ہیں۔ اگر دوست ہم صحبت ہوں، تو دکھ کے دن یاد بھی نہ آئیں"۔

بعد میں مراد خان نے اپنی بیٹی کا رشتہ روحل خان سے کر دیا اور ان کے بطن سے خدا بخش اور دریا خان پیدا ہوئے، جن میں سے دریا خان سندھ کے مشہور کافی گو شاعر گذرے ہیں۔ جب تک روحل خان زندہ رہے مراد کا ان سے قریبی تعلق رہا۔ ان ہی کی صحبت میں انہوں نے فقیری اختیار کی۔ غالباً دونوں ایک ہی ساتھ 'پدماد' سے ہجرت کر کے 'کوٹلہ' میں آئے۔ بعد میں روحل فقیر نے جاکر 'کنڈڑی' کو بسایا، مگر مراد فقیر 'کوٹلہ' میں ہی مقیم رہے۔

کلہوڑہ خاندان کے زوال کا زمانہ ایک پر آشوب تاریخی دور تھا۔ جب آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے والی افغانستان تیمور شاہ سے مدد طلب کی تو سردار مدد خان افغان ان کے ساتھ آیا، جس نے آکر سندھ میں کشت وخون اور آتش زنی جیسے مظالم کئے۔ اس حادثہ (1195ھ-1781ء) سے متاثر ہو کر مراد فقیر کلہوڑوں سے بیزار ہوئے اور تالپوروں کے حامی بن گئے۔

اپنے ایک شعر میں انہوں نے مدد خان کو مار کر سندھ سے باہر نکال دینے کی ترغیب دی۔ "مار 'مدد' کوں دور کرو، چھوڑ ونجے یہودی یزید میاں"۔ کلہوڑوں کی شکست کے بعد جب تالپور بر سر اقتدار آئے تو مراد فقیر نے اپنے سندھی بیتوں میں تالپوروں کو دعائیں دیں۔

میر سہراب خان تالپور والی خیر پور نے مراد فقیر کی بڑی عزت کی۔ مراد فقیر کا انتقال 'کوٹلہ' میں سنہ 1211ھ (1796ء) کے لگ بھگ ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

روحل کی طرح مراد فقیر بھی ایک صوفی باصفا درویش اور وجودی فلسفہ کے قائل یعنی ہمہ اوست نظریہ کے حامی تھے۔ اپنی شاعری میں انہوں نے ان نظریوں کی تبلیغ اور ہوس، تزویر اور ریاکاری کی مذمت کی ہے۔

مراد فقیر سرائیکی زبان کے فصیح ترین شاعروں میں سے ہیں۔ انہوں نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے، اور 'مارواڑی' اور سندھی آمیز 'ھندی' میں دوہرے، کبت اور بھجن کہے ہیں۔ روحل اور مراد کے اشعار جو ہندی کے بحور و اوزان میں ہندی ہی کے اصناف سخن پر مشتمل ہیں، اردو کے ابتدائی ارتقائی دور یعنی 'دور ہندی' کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔

دوھرے

ستگر گیانی بھیٹیا سنسا رہیا نہ کوء
بھرم مٹاوے جمء ٹرے، آوا گون نہ ہوء

—

سکھ تیرے سر بہار ہے چنتا کرو مت کاء
جو تم پوچھو چاہ سوں سبھ دیؤں بتاء

—

کہو پربھو ہم کون ہوں، کِم آیو سنسار
چوراسی لکھ جاتِ کِم جو لیوت ہے اوتار

—

نا کوئی جئے، نا کوئی مرے، جوتی جوت سماء
جیسے جل ترنگ پھرے ہیرا جل مل جاء

—

پریم گنگ من جب بھیو تب اور کچھُو نہ سہائے
سُتر کُلتر مال دھن سبھی تجھے سرائے

چوپائیاں

گُر کرپا تے کال نہ کاء — جنم مَرن کا سنسا جاء
ہم تِس ستگر کی بلھاری — بھرم 'مراد' مٹاوے بھاری

—

نہ کہو آوے نہ کہو جاوے — آپ ہیں میں پھر آپ سماوے
جیوں ساگر پر انیک تُرنگا — اِت اِکُ اور جوا جو رنگا

—

پریم بنا کچھ بھگت نہ ہوء — پریم بنا کچھ ایک نہ دوء
پریمی ہووے پرچا پاوے — پریم الکھ 'مراد' لگاوے

—

پریم بنا جو بھگت کہاء — سو تو کبھوں مکت نہ پاء
پریم بنا سبھو کرم کے کیڑے — کہت 'مراد' مایا موہ پیڑے

—

چھہ - پائی

دھن گُر ستگر سونے لاگے۔ جو کہے کر تَن کے آگے
تم دھن ونتی دین دیال۔ ہم آدھین ہوں نیٹ کنگال
تم سَتِ پارس ہم ہوں لوہ۔ کر کرپا سنگ لاوو موہ

چھند سوَیے

جے جَنِ نام، بِچے نہیں رام، پڑے کوپ کام، مایا مدھ ماتے
جیسے بھرتار، کلچھن نار، تجھے مکھ چھار، اوراں سنگ گھاتے
ساکُل لجائے، دکھی دکھ پائے، پیچھے پچھتائے، موئی بھلے تاں تے
کہت مراد، سوئی دُھن سادھ، جولائے سادھ، ہری رنگ راتے

—

پریت کی ریت، ابھے میرے میت، جیسے من جیت کے منچھا ہارے
آئی تب چیت، پوری پرَتیت، میٹے سبھ دویت، جو وست وچارے
بھیونر دوکھ، نہ ہرکھ نہ سوکھ، نہ بندھ نہ موکھ، نِھی گھٹِ دھارے
جس سادہ سمادہ 'مراد' آئی تس بل ہوُں بل ہوُں بلہارے

شبد

سکھی ری چلو پیا کے دوار

پریم کو بادل امیں رس برسے، رم جھم امرت دھار
گگن منڈل انحد گرجے، دہ ڈس میگھ ملار
نرمل نیر نام سوں سیجے، من کو میل اُتار
چت من چیتن بجلی چمکے، پر گھٹ جوت اپار
پیوَت سانت بوند سکھ اپجے، تجیئے سَکل وکار
چرن کنول کی سیوا کریئے، مانگوں دان دیدار
کہت 'مراد' یہ مکت کو مارگ، چین لیو تنت سار

شاھو خان زنگیجہ

(1165ھ؟-1230ھ؟)

روحل خان نے جو پہلی شادی کی تھی، اس سے ان کے دو صاحبزادے شاھو خان اور غلام علی پیدا ہوئے۔ شاھو خان بڑے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد کے یہاں ہوئی اور انہیں کی صحبت میں وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے اور فقیری اختیار کی۔ سندھی، سرائیکی اور ھندی کے شاعر تھے۔ ایک دن اپنے والد سے اس طرح مخاطب ہوئے:

گُر۔ پُری کم جانیا، کُبدھ پُری پیچھاں
'شاھو' اب عرض کرے، دیؤ سرب گیان
گیان بنا گم کم پڑے، جب ستگر کہہ سمجھاء
'شاھو' پر دیا کرو دیؤ ترت دکھاء

یعنی: 'گرو نگر (مرشد کے مسکن و موقف) کو کم سمجھا البتہ جہل کی پہچان حاصل ہوگئی۔ شاھو کی گذارش ہے کہ آپ صحیح گیان (علم) عطا فرمائیں۔ (کیونکہ) گیان کے بغیر بوجھ کم پڑتی ہے، جب تک کہ سچا مرشد سمجھا کر تعلیم نہ دے شاھو پر کرم فرما کر، جلد رہبری فرمائیں'۔

روحل فقیر نے جواب دیا:

ستگر۔ پُری پرس ہے، سدا بے پرواہ
روحل! او راجا بھئے، راجن کے پتشاہ
انگ اکشر نہ ملے، نَین نَین بھرپور
روحل بچن بولیئے، کر چگے ہنسا سور

یعنی: 'سچے مرشد کے مسکن اور موقف والا مرد باہمت اور بے پرواہ ہے۔
روحل کہتا ہے کہ وہ راجا بلکہ راجاؤں کا راجا ہے۔ ہوس اس کے یہاں قطعی نہیں۔ اس کی آنکھیں حقیقی محبت سے بھرپور ہیں۔ روحل نے موتیوں جیسے بول بولے ہیں جو ہنس کے چگنے کے قابل ہیں (یعنی داناؤں کے سمجھنے کے قابل ہیں)۔

■

شیخ وَرُو

(12۔صدی، نصف اول)

شیخ ورو شہر ٹھٹہ کے منصبداروں میں سے تھے۔ ابھی جوان تھے کہ نواب سیف اللہ خان کے عہد (1137۔1142ھ) کے آخری حصے میں قتل کے الزام میں مارے گئے۔ بقول میر علی شیر 'قانع'* شہر ٹھٹہ کے مفتی کی ہجو میں انہوں نے بہت کچھ لکھا جس میں سے ایک غزل کا مطلع یہ تھا:

الا یا ایّہا المفتی شدہ ریش تو جنگھا
اکھاروں بال یک یک کر بناؤں خوب کنگھا

■

* مقالات الشعراء، (697۔ورو) ص828

سید ثابت علی شاہ 'ثابت'

(1153ھ-1225ھ)

ثابت علی شاہ ابن مدار علی شاہ المتخلص بہ "ثابت" 1153ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں انہوں نے قرآن شریف کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ملتان ہی میں رہتے ہوئے ایک سیلانی فقیر کے مرید ہوگئے جو سیوہن (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وفور عقیدت مندی کے باعث سندھ میں سکونت کرنے کے متمنی ہوئے اور بالآخر ٹھٹہ میں ملازمت کرلی۔ یہاں سے وہ سیوہن آکر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بالآخر ہمیشہ کے لئے وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ ترک سکونت کرنے کی وجہ سے ان کے والد اور بھائی بھی ملتان کو خیر باد کہہ کر سیوہن پہنچ گئے۔

سیوہن میں ثابت علی شاہ درگاہ سیوہن شریف کے سجادہ نشین سید اسد اللہ شاہ سے وابستہ ہوگئے اور ان کی مجلس میں 'روضۃ الشہداء' پڑھنے لگے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مخدوم محمد احسان سے عربی پڑھی، اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں مخدوم محمد مراد واعظ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ شاعری میں مخدوم نور الحق سے اصلاح لینے لگے۔ اس کے بعد ان کی ٹھٹہ کے مشہور شاعر میاں غلام علی 'مداح' ابن محمد محسن سے ملاقات ہوگئی، جن سے صاحبزادہ محمد سرفراز عباسی کے ساتھ وہ غزلوں اور قصیدوں میں اصلاح لینے لگے۔ تالپور حکمرانوں نے ثابت علی شاہ کی قدر دانی کی اور ازراہ نوازش سیوہن سے حیدر آباد بلالیا، جہاں پر وہ خوشحال زندگی بسر کرنے لگے۔

سید ثابت علی شاہ نے بہتر (72) سال کی عمر میں بتاریخ 27۔ جمادی الثانی 1225ھ / 1810ء میں سیوہن میں وفات پائی اور وہیں پر دفن ہوئے۔

سید ثابت علی شاہ فارسی اور سندھی کے پر گو شاعر تھے۔ سندھی میں مرثیہ گوئی

کی بناڈالنے کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ ان کے مرثیہ سندھی ادب میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ اور اردو سے انہیں خاص ذوق تھا۔ "فارسی سے اچھی خاصی واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان کو فارسی اور ہندی (اردو) اشعار پڑھنے کا شغف ہوا۔ سید صابر علی شاہ کی نظمیں پڑھتے پڑھتے ان کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا، اور مشہور بڑے شعراء کی نظموں، نعتوں اور مرثیوں کے تتبع میں وہ شعر کہنے لگے"*۔ ان کے فارسی دیوان کے ایک قلمی نسخہ میں ان کا کچھ اردو کلام بھی محفوظ ہے** ان کی ایک منقبت (مسدس) کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے حق کے ولی ابن علی میری مدد کر
ہر وقت خفی اور جلی میری مدد کر
تجھ بابا کے حق ناد علی میری مدد کر
سائل ہوں کھڑا تیری گلی میری مدد کر
ابن علی اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرت عباس علی میری مدد کر

—

ثابت علی اے شاہ تیرے در کا گدا ہے
زوار تیرا تجھ پہ دل و جاں سیں فدا ہے
حسنین کا صدقہ مری ہر دم یہ صدا ہے
کر مہر سیں مقبول جو مجھ دل کی دعا ہے
ابن علی اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرت عباس علی میری مدد کر

—

* محمد صدیق میمن: سندھی ادب کی تاریخ۔ جلد اول، حیدرآباد 1937ء، ص ص 345-346

** مرزا گل حسن مرحوم نے اس دیوان کو خود دیکھا اور وہاں سے یہ کلام نقل کیا۔ ملاحظہ ہو ان کا مضمون "تالپور حکمرانوں کے علمی کارنامے" مطبوعہ ماہنامہ "نئیں زندگی" اور کتاب " مهراڻ جون موجون"، پاکستان پبلی کیشن، ص ص 43-44

امداد علی تیرا غلام اے شہہ عالی
تجھ شہہ کا ثنا خوان ہو 'میرن' سا موالی
اور مرثیہ میں 'مقبل' و 'مسکین' کا ثانی
کر 'محسن' و 'مدّاح' سا تو اپنا سوالی
ابن علی، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرت عباس علی میری مدد کر

—

ثابت علی، الحمد دعا ہے تری مقبول
اس در سے سبھی تیری مرادیں ہوئیں محصول
یہ در ہے خدا کا بخدا اور کہیں مت بھول
ہر وقت رہا کر تو اسی ذکر میں مشغول
ابن علی، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرت عباس علی میری مدد کر

■

میر ضیاء الدین 'ضیا'

(1160ھ؟- 1229ھ)

سید ضیاء الدین ضیا بن سید عزت اللہ ٹھٹہ کے 'شکر الٰہی شیرازی' سادات کے خاندان میں سے تھے۔ وہ مشہور شاعر اور مورخ میر علی شیر 'قانع' ٹھٹوی کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ ٹھٹہ میں ان کی نشو و نما ہوئی اور وہیں اساتذہ کے یہاں تعلیم پائی۔ وہ کم و بیش اپنے بھتیجے میر عظیم الدین 'عظیم' (بن میر یار محمد) کے ہم عمر اور ہمعصر تھے۔

سندھ کے تالپور امیروں نے جب کلہوڑہ عباسی خاندان کو شکست دے کر سنہ 1196ھ میں اپنی حکومت قائم کی تو اس شکر الٰہی خاندان کے افراد تالپور امیروں کے درباروں سے وابستہ ہوئے۔ چنانچہ میر عظیم الدین 'عظیم' فاتحِ سندھ میر فتح علی خان کے ساتھ وابستہ ہوئے، میر غلام علی 'مائل'، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان کے ساتھ منسلک ہوئے اور میر ضیاء الدین 'ضیا' علاقہ میرپور (خاص) کے والی میر ٹھارہ خان بن میر فتح خان مانکانی کی دربار سے ملحق ہوئے۔ سنہ 1214ھ / 1799ء میں جب میر فتح علی خان کی فرمائش پر میر عظیم الدین عظیم نے قصہ 'ہیر و رانجھا' کو مثنوی منظوم کیا، تو سنہ 1215ھ / 1800ء میں میر ضیاء الدین نے اسی قصہ کو میر ٹھارہ خان کے لئے فارسی مثنوی میں لکھا:

امیر سندھ میر تھارہ خان نام　　شکوہِ جاہِ او راشد فلک رام

سزد از بہر او ہنگام سازم　　برای او یکی این نامہ سازم

ضیاء کو اپنے ممدوح امیر ٹھارہ خان سے محبت حمیت کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے اردو کلام میں بھی کہتے ہیں:

نور از جبہء میر ٹھارہ خان
جلوہ گر ماہتاب میں دیکھا

میر ضیاء الدین ضیا نے سنہ 1229ء میں وفات پائی۔ ان کے بھتیجے میر غلام علی مائل نے دو تاریخی قطعوں "ضیاء الدین محمد فی الجنان" اور "در جنان جای ضیاء الدین" سے تاریخ وفات نکالی۔

میر ضیاء الدین فارسی کے پر گو شاعر تھے۔ فارسی میں مثنوی ہیر ورانجھا، ایک دیوان اور بیاضیں ان کے دستخط سے یادگار ہیں*۔ فارسی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کی اور ایک دیوان چھوڑا جس میں غزل، قصیدہ، مستزاد، ترجیع بند، مخمس اور مسدس غرض کہ ہر صنف شاعری کے اشعار موجود ہیں۔

ضیاء کا زمانہ میر تقی میر، سودا اور میر حسن کا زمانہ تھا، اور ضیا، سودا کے کلام سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی 'بیاض' میں سودا کی یہ غزل (بحذف پانچ اشعار) لکھی ہے۔

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ وہ نیَن ہیں جن سے کہ جنگل بھرے ہوئے
اے دل یہ کس سے بگڑی کہ آتی ہے فوج اشک
لخت جگر کی لاش کیوں آگے دھرے ہوئے
مجلس سے چھوکروں کے جو حجرے سے شیخ جی
آویں تو پھر خدا نے کیا مسخرے ہوئے
سودا نکل نہ گھر سے کہ اب تجھ کوں ڈھونڈتے
لڑکے پھریں ہیں پتھروں سے دامن بھرے ہوئے

ضیاء کی بیاضوں میں بھی اردو غزلیں لکھی ہوئی ملتی ہیں مثلاً:

دکھا کر رخ کوں اے ظالم چھپاؤگے تو کیا ہوگا
کہانی عشق کی کہہ کر بلاؤگے تو کیا ہوگا

---

* سندھی ادبی بورڈ کے مکتبہ میں محفوظ ہیں

کیا ہے برہ نے تیرے مرے دل کو پتنگ مانند
بجھا کر عشق کی آتش جلاؤگے تو کیا ہوگا

نہ پاؤں نیند نینوں میں کدی تجھ بن ارے پیتم
سمجھ کر اپنے عاشق کوں ستاؤگے تو کیا ہوگا

شہادت کی مجھے ہے آرزو مندی سدا دل میں
برہ کے ہاتھ کا بھالا لگاؤگے تو کیا ہوگا

جدائی کی نہیں طاقت رہی ہے مجھکو اے دلبر
اگر ٹک پاس اپنے مجھ بلاؤگے تو کیا ہوگا

محبت اتنی کرتے ہیں رقیباں سوں ارے ظالم
مروت میں اگر اتنا ستاؤگے تو کیا ہوگا

درس کی مانگتا بکھیا ضیاء الدین سدا تیری
اگر تم مہر سوں آکر دکھاؤ گے تو کیا ہوگا

—

مرے دل میں وہ دلبر یاد ہے مجھ
سدا یہ عشق کا ارشاد ہے مجھ

مصور کیوں لکھے نقش پری رو
دلِ مانی قلم بہزاد ہے مجھ

صنم کو کیوں نہ کہہ قامت بلندی
کہ رعنا سروِ دل آزاد ہے مجھ

کہو اس شوخ کو میری طرف سوں
ترا یو ناز دایم یاد ہے مجھ*

درس کا ہے ضیاء الدین بھکاری
ترے یہ حسن کا امداد ہے مجھ

* یو=یہ

محمد عظیم الدین 'عظیم'

(1162ھ - 1229؟)

میر محمد عظیم الدین ابن سید یار محمد ابن سید عزت اللہ، فارسی کے مشہور شاعر اور سندھ کے مؤرخ میر علی شیر 'قانع' ٹھٹوی اور ضیاء الدین 'ضیا' کے بھتیجے تھے۔ وہ 1162ھ /1749ء میں ٹھٹہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی تاریخ ولادت، جیسا کہ قانع نے "مقالات الشعراء" میں لکھا ہے، قرآنی آیت "وانّاله لحافظون" کے اعداد سے استخراج کی گئی تھی۔

میر عظیم الدین فارسی کے باکمال شاعر تھے اور 'عظیم' تخلص اختیار کرتے تھے۔ انہوں نے فخریہ کہا ہے کہ: "سوادِتتہ از من باصفاہاں می زند پہلو"۔ فارسی میں اُن کا دیوان ہے*، جس میں بکثرت تاریخی قطعات ہیں جو اسی دور کے حالات سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے میر فتح علی خان کی مختلف فتوحات سے متعلق تین ہزار اشعار کی مثنوی "فتح نامہ" 1209ھ /1794ء میں لکھی جو فردوسی کے "شاہ نامہ" کی تقلید میں ہے۔ اس مثنوی میں عظیم نے اپنے حسب و نسب کے متعلق کہا ہے:

از آن دم کہ جان جامہ پوشِ تن است
محمد عظیم الدین اسمِ من است
حسینی و شیرازی و تتوی
علی باشدم مرشدِ معنوی

اس کے دوسرے سال عظیم نے اپنی غزلیات کے دیوان کو مرتب کرنا شروع کیا،

---

* دیوان عظیم تتوی، مرتبہ ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خان، صدر شعبہ اُردو سندھ یونیورسٹی، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، 1381ھ /1962ء

پھر سنہ 1214ھ/1799ء میں عظیم نے تیسری مثنوی "رانجھا و ہیر" مرتب کی۔ اس میں اٹھارہ سو اشعار ہیں۔ اس کے بعد کچھ قطعات لکھے تھے۔ سنہ 1229ھ/ 1814ء میں ان کا انتقال ہوا اور ان کے چچازاد بھائی میر مائل نے ان کا مرثیہ لکھا جس میں تاریخی شعر یہ ہے:

روح القدس بسالِ وفاتش ز غیب زود
گفتا "بجا محبِ علی العظیم بود"
1229

عظیم کی باقیات میں فارسی قصائد، غزلیات، رباعیات، مخمسات، مسدسات، سلام و مراثی سبھی اصناف موجود ہیں۔ اُردو میں غزلیات اور مرثیے لکھے جن کو فارسی دیوان کے فاضل مرتب (ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان) نے آخر میں بطور ضمیمہ یکجا کر دیا ہے۔ عظیم کی زبان اور بندشوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں اُردو کے اعلیٰ شاعروں میں سے تھے۔ ان کے یہاں تقلید کم اور حقیقت زیادہ ہے۔ غزلیں ملاحظہ ہوں:

سجن جلوے جمالی مجھ دکھاؤ گے تو کیا ہوئے گا
اگر سورج سوں ذرے کوں ملاؤ گے تو کیا ہوئے گا
تمہارے گنجِ حسن اوپر یہ زلفاں ناگ کالے ہیں
مجھے ان کالے ناگوں سے کٹاؤ گے تو کیا ہوئے گا
بھواں تیری کماں اور یہ پلک ناوک نظر آتے
نشاں مجھ دل کوں کر ناوک چلاؤ گے تو کیا ہوئے گا
چمن میں حسن کے تیرے یہ چشماں مست نرگس ہیں
اگر ہم عشق پیچوں سے اڑاؤ گے تو کیا ہوئے گا
ترا یہ لعلِ لب یا قوت ہے، یاقوت ہے دل کا
مجھے معجونِ یا قوتی چکھاؤ گے تو کیا ہوئے گا
ترے رخسار یہ گل ہیں، ترے لب قند و مصری ہیں
مجھے یہ قرص گلقندی کھلاؤ گے تو کیا ہوئے گا

حنائی ہاتھ تیرے دیکھ کر ہم ہاتھ ملتے ہیں
ٹک ان ہاتھوں سے پیالہ پھر پلاؤ گے تو کیا ہوئے گا

—

دلبر نے میرے مجھ سیں کیا التفات آج
سب درد و غم کی قید سیں بخشا نجات آج
اس شمع رو کے ہجر میں جلتا تھا جوں پتنگ
اتری مرے نصیب میں عشرت کی رات آج
باللہ کہ اس کے در کا گدا ہو رہوں گا میں
پایا ہوں مالِ حسن کے جس کی زکات آج
میں مرگیا تھا تلخیِ زہر فراق سوں
میٹھے وصال یار نے بخشا حیات آج
'حافظ' نے جامِ عشق دیا ہے 'عظیم' کو
'گل جاں' مری نظر میں ہے 'شاخِ نبات' آج

—

تجھ بن میں بے قرار سدا بحر و بر میں ہوں
جل میں کنول، کنول میں بھنور، میں بھنور میں ہوں
تو چھپ چلا چمن موں، میں آکے وہاں چھپا
جھاڑوں میں گل، گلوں میں ثمر، میں ثمر میں ہوں
تو مجھ میں ہے، میں تجھ میں، جدائی جدا ہوئی
انکھیاں میں تو ہے، تجھ میں نظر، میں نظر میں ہوں
تجھ دانت آبدار کی غیرت سیں غرق ہوں
جل میں صدف، صدف میں گہر، میں گہر میں ہوں
جب سوں ہوا ہوں مست تری چشمِ مست کا
شیشے میں مے ہے، مے میں اثر، میں اثر میں ہوں

چھپ دیکھتا ہوں تجھ کو رقیباں کے خوف سے
مکھ میں نَین، نین میں نظر، میں نظر میں ہوں
شیریں لباں کے میٹھے بچن مجھ کو کیر ہیں
لب میں بچن، بچن میں شکر ، میں شکر میں ہوں
دیکھا ہوں دام زلف میں تیرے 'عظیم' کو
سر میں زلف، زلف میں جگر، میں جگر میں ہوں

—

برہمن جس کے دل میں آرزو ہے مر کے درسن کا
مجھے ہے آرزو ہر وقت درسن اس برہمن کا
برہمن کی برہ من میں مرے مخفی نہیں رہتی
چھپانا حال کی صورت نہیں مقدور درپن کا
سجن کے کان کے بالے میں کیا موتی کے دانے ہیں
یہ دانے دام گیسو کے وہ گیسو دام ہے ہن کا
کبھی چیرہ بسنتی ہے، کبھی پھیٹا گلابی ہے
مرا دل باندھنا ہر پیچ میں ہے کام موہن کا
نین نرگس، دہن غنچہ، وہ مشکیں خال سوسن ہے
مرے گل رخ نے لوٹا ہے سبھی سامان گلشن کا
مرا دل رام اس کا ہے جو دل میں رام ہے ہر کا
سورج مکھ پوجے سورج کوں وہ پوجے رخ سریجن کا
'عظیم' اُس حسنِ عشق آمیز نے مجھ دل کوں گھیرا ہے
برہمن ہر کا ہے عاشق ہے، میں عاشق ہوں برہمن کا

—

گلشن میں جب وہ گل رو مستِ شراب ہوئے
اس حسنِ آتشیں پر بلبل کباب ہوئے

زلفاں نہ کھول مکھ پر دن رات ایک ناکر
[لوگوں کو] یہ اچنبھا دیکھ اضطراب ہوئے
تجھ زلف کی صفت موں چوں شانہ سوزباں ہوں
مجھ شعر میں بجا ہے گر پیچ و تاب ہوئے
مت آئینے کو دکھلا اپنا جمالِ روشن
تجھ مکھ کا تاب دیکھے آئینہ آب ہوئے
میری نظر 'عظیما' قرآں سے ہم شرف ہے
مولا کی منقبت میں جو کوئی کتاب ہوئے

غزلیات کے علاوہ عظیم نے مربّع مرثیے بھی لکھے ہیں۔ ان کے ایسے مرثیے فارسی میں بھی ہیں۔ اُردو میں دو مرثیے ملتے ہیں۔ ایک مرثیہ کے تین بند ملاحظہ ہوں:

چلا یادگارِ پیمبر حسین — چلا ابن زہرا و حیدر حسین
چلا سب شجاعوں کا افسر حسین — چلا بادشاہِ مظفر حسین

—

چلا وہ مدینہ سوں شاہوں کا شاہ — چلا پیش وپس لشکر اشک و آہ
شہادت کا دیتی ہے چہرہ سیاہ — ہوا جس کا سالار و سرور حسین

—

چلا باندھ حق کی رضا پر کمر — توکل کی لے ہاتھ محکم سپر
مگر شامیوں نے لیا گھیر کر — امامت کا خورشیدِ انور حسین

مندرجہ بالا کلام دیوان عظیم کے آخر میں بطور ضمیمہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی عظیم کا اردو کلام پایا جاتا ہے۔ ایک منقبت میں انہوں نے سندھ کے چاروں حکمرانوں یعنی میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان کے لئے دعا مانگی ہے۔ ایک منقبت میں میر صوبدار خان (ابن میر فتح علی خان) کے لئے کہتے ہیں:

سرو باغِ صوبداری یا علی تیرا غلام
تجھ غلامی سے ہوا ہے جگ میں روشن جس کا نام
یا علی تیرا غلام اس کو کہیں سب خاص و عام
دوجہاں میں رکھ اُسے دایم بعزّ و احترام
شاہ دین دو جگ کے افسر یا امیر المومنین

حافظ عبدالوہاب عرف سچے۔ ڈنہ 'سچل'

(1242-1152)

عبدالوہاب عرف سچے۔ ڈنہ بن صلاح الدین فاروقی، سنہ 1152 /1739ء میں بمقام دَرازا(موجودہ ضلع خیرپور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ساتھ آئے تھے اور یہ خاندان ایک بڑی مدت تک سیوہن میں رہا، جہاں سے موجودہ مکان درازا کو نسبتاً قریبی زمانہ میں منتقل ہوا۔

سچے۔ڈنہ کی عمر ابھی چھ سال کی تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے ان کی پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم حافظ عبداللہ قریشی صدیقی سے حاصل کی جو ہالا کے مشہور آخوند خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سچل نے بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کیا اور علم تجوید میں مہارت حاصل کی۔ پھر اپنے چچا خواجہ عبدالحق سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ خواجہ عبدالحق سے بیعت ہو کر تصوف اور معرفت کے رموز سے آگاہ ہوئے۔

سچے۔ڈنہ نے سندھ کے کلہوڑہ حکمرانوں کا آخری دور اور زوال دیکھا جو ایک پر آشوب زمانہ تھا، جس میں فتنہ وفساد کے سوا میں گویا حق اور حقیقت دبے رہے۔ سچے-ڈنہ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ ظاہر داری اور تصنّع کے خلاف ان میں ایک زبردست رد عمل کا جذبہ پیدا ہوا۔ جب تمام سلطنت تالپوروں کے ہاتھ میں آئی تو قدرے سکون ہوا۔ والی خیرپور میر سہراب خان کے فرزند میر رستم خان کو سچے۔ڈنہ سے عقیدت ہو گئی اور از راہ تلطف جاگیر عطا ہوئی۔ اس کے بعد سچے۔ڈنہ پر عشق الٰہی کی مخموری اور مدھوشی غالب ہوئی۔ ہمہ اوست کے فلسفہ کا بڑا گہرا اثر پڑا، اور شعر میں نفی اثبات، فنا بقا، حال قال، ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے اسرار ورموز کو اجاگر کرتے رہے۔ اور حق اور حقانیت کی تبلیغ کرتے

رہے۔ سچل نے 14۔ رمضان سنہ 1142ھ / 1827ء میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی اور 'درازا' میں دفن ہوئے، جہاں ان کا مزار مرجع عوام ہے۔

شاعری میں اپنے مقصد (حق کی تبلیغ) کے لحاظ سے 'سچو' یا 'سچل' (سچا) تخلص اختیار کیا۔ سندھی، سرائیکی اور اُردو کلام میں ان کے نام 'سچے۔ ڈنہ' کے علاوہ یہ تخلص بھی پائے جاتے ہیں۔ فارسی میں 'آشکار' اور 'فدائی' تخلص اختیار کرتے تھے۔ ان کا فارسی 'دیوان آشکار' چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا دوسرا کلام مندرجہ ذیل فارسی مثنویوں پر مشتمل ہے: وصلت نامہ، رہبر نامہ، تار نامہ، راز نامہ، عشق نامہ اور گداز نامہ، جن میں تصوف کے مسائل اور عارفانہ رموز بیان کئے گئے ہیں۔ سندھی میں وحدت نامہ، مرغ نامہ اور قتل نامہ مثنویاں لکھیں۔ سندھی اور سرائیکی زبانوں میں شعر کا ایک بڑا ذخیرہ 'بیتوں' اور 'کافیوں' پر مشتمل ہے۔ بعض بیت اور کافیاں مستی، مدھوشی اور حالت استغراق میں کہیں جو البتہ 'شطحیات' کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اس لئے بعد میں ان کے معتقدین نے ان کو 'سچل سرمست' کے لقب سے یاد کیا، باوجود اس کے کہ وہ صوم وصلواۃ کے پابند، عابد اور پرہیز گار شخص تھے۔

سچل کا اردو کلام بھی ان کے سندھی اور سرائیکی 'بیت' اور 'کافیوں' کی طرح منتشر ہے، اور غالباً اس کا کچھ حصہ ہی جمع ہو سکا ہے۔ "سچل سرمست جو سرائیکی کلام" جس کو حکیم محمد صادق مرحوم رانی پوری نے مرتب کیا۔* اس کے آخر میں ایک حصہ 'اردو کلام' کے عنوان سے شامل ہے، جس میں پچاس غزلیں شامل ہیں۔ سچل کی زبان سادہ ہے۔ فارسی اور اردو میں یہی رنگ غالب ہے۔ یہاں ان کے اردو کلام میں سے انتخاب دیا جاتا ہے۔

مری آنکھوں نے اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر اُس خورشید کا انوار دیکھا تھا
جلایا طور سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اُس انوار کو اظہار دیکھا تھا
حذر حاصل ہوا تھا جس جگہ ان علم والوں کو

---

* مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سنہ 1959ء

وہاں میں نے وہی نور مبین اظہار دیکھا تھا
مرا تو کام تھا اُس ہادی و رہبر کی صورت سے
اُسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا
برابر ہیں بہر جا جس طرح سورج کی یہ کرنیں
بہر مظہر اسی انداز سے انظار دیکھا تھا
جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اُس مدھوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا
کہا اک بار اُس نے بالیقیں کلمہ انا الحق کا
رہِ اسرار میں منصور کو بردار دیکھا تھا
کنارا تھا نہ جس کا، تو "سچل" اُس بحر میں آیا
نگوں سار اُس میں ہر اک طالب دیدار دیکھا تھا

—

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا امام ہوا
کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا
ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں اُنگلیاں، یہ کام ہوا

—

ہے غنیمت مجھ کو یارو دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں، جب یہ جہاں فانی ہوا

—

ہاتھ پر لالی لگائی، آج کیا درشن ہوا
زلف پر چیرہ ہوا، سر پر گلِ سوسن ہوا

—

برہا ہے سب مشکل بازی، کون رے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اُس کو، سارا ہوش گنوائے گا

—

اُس کو خبر اس راز کی ہے عشق کا جس پر اثر
سردے "سچل" اس راہ میں مقصد میں ہو جا کا مگر

—

دلبر کے در پہ میں تو دیوانہ ہو رہا ہوں
یارو، میں دو جہاں سے بیگانہ ہو رہا ہوں
یہ عقل و فہم اُس کے دیدار نے اڑایا
زلفوں کے پیچ و خم میں مستانہ ہو رہا ہوں
محبوب آج سر پر چیرا ہے باندھ آیا
اُس شمعِ حسن کا میں پروانہ ہو رہا ہوں
آئے گا جوں وہ دلبر تیروں کی ہوگی بارش
سینہ سپر ہے "سچل" نیشانہ ہو رہا ہوں

—

ملنے کو تیرے دلبر میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا میں سربسر ہوا ہوں
پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھروں اُداسی
تیرے لئے گدا گر میں دربدر ہوا ہوں
فرقت میں تیرے رونا دن رین مجھ کو حاصل
حبل الورید سے بھی میں بے خبر ہوا ہوں
اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
"لاتقنطوا من رحمۃ" میں بے خطر ہوا ہوں

سمجھا تھا دور میں نے لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں میں در نظر ہوا ہوں

کیا کروں میں جو مرا کوئی اختیار نہیں
ہائے رے، آج مرے پاس وہ دلدار نہیں
نبض کو دیکھ کے مایوس فلاطوں بھی ہوا
کہہ دیا صاف کہ یہ مست تو ہوشیار نہیں
تجھ کو تو درد نہیں، یار نے "سچل" سے کہا
میں نے رو رو کے کہا، تجھ کو اعتبار نہیں

بلبل کو برہ پہنچا آئی ہے رت بہاراں
فریادِ وصل اُس کی ہے مثل بے قراراں
میں نے یہ اُس سے پوچھا عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زار زاراں
منقار ہے گلوں پر پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں
بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے، میرے لئے نگاراں
آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے "سچل" میں چھوڑوں نہیں پکاراں

کیسی یہ جمعیّت ملی، حیران ہوں ویران ہوں
گاہے پشیمانی میں ہوں، گاہے بہت حیران ہوں
کعبہ کنشت اب دور ہے، منزل تو میری اور ہے

بدنام ہوں، بدکار ہوں، صورت میں گر انسان ہوں
ہنسنا کبھی رونا کبھی راضی کبھی تصدیع پر
تسبیح کی خواہش نہیں، زنّار پر خندان ہوں
نے ورد خواں نے متقی، زاہد نہ میں عابد بنا
مجنون ہوں، مفتون ہوں، دیوانہ ہوں، مستان ہوں
قاضی نہیں، مفتی نہیں، ملاّ نہ ہوں میں محتسب
میں ملحد و کافر نہ ہوں، نے صاحبِ ایمان ہوں
صورت بشر کی ہے مری، ظاہر گدا گر ہوں بنا
باطن کو پہچانے مرے، سلطان ہوں، سلطان ہوں
"سچل" نہ میرا نام ہے، وہ نام میرا پاک ہے
میں خود سراپا عشق ہوں، ہم گوئے ہم چوگان ہوں

آیا وہ یار آیا، کہتا ہوں حمداللہ
رخ دوست نے دکھایا، کہتا ہوں حمداللہ
اس حال ناتواں کی پرسش بہت تھی اُس کو
مجھ کو گلے لگایا، کہتا ہوں حمد للہ
غفلت کے خواب اندر دن رین میں پڑا ہوں
برہ نے ہے جگایا، کہتا ہوں حمداللہ
معشوق کی نگہ سے دل خوش ہوا ہے میرا
فرقت کا غم مٹایا کہتا ہوں حمداللہ

کرتا ہوں اے سریجن اس باب، شکر للہ
اس بِرہ نے کیا ہے بیتاب، شکرللہ
تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں

تو نے کیا ہے مجھ کو بیخواب، شکر للہ

کیا ورد کیا وظائف کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوں شد و جزم و اعراب، شکر للہ

وحدت کا اُڑ کے آیا شہباز دل پہ میرے
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب، شکر للہ

ظاہر ہو یا ہو باطن، اندر ہو یا ہو باہر
"سچل" سپرد تیرے ہر باب، شکر للہ

—

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی

تیرے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل الفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ، دو چار دن فراقی
سیکھی کہاں سے تو نے یہ رسم آشنائی

واپس دے دل "سچل" کا کوچہ میں جو پڑا ہے
سینے پہ اُس کے نوبت الفت نے ہے بجائی

—

آؤ سنو اے یارو، ہے عشق انتظاری
آرام ہے نہ پل بھر ہر دم ہے بیقراری

کیا خویش کیا قبیلہ، سب سے جدا ہوا ہوں
میں نے اُٹھایا سر پر برہے کا بار بھاری

ہاتھوں سے اُس صنم کے چھوٹے خدنگ خونی
جن سے ہوا ہے دل پر عاشق کے زخم کاری

وہ شاہِ عشق آیا، دیکھو "سچل" تماشا
فرار ہو چکی ہے اب میری عقل ساری

—

آنکھوں میں اُس کی کاجل، ہاتھوں پہ اُس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جامِ پُر تگالی
دیکھو اے دوستو تم کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی
آیا نظر میں اژدر مجھ کو وہ زلف پیچاں
رخ پر لٹک رہی ہے ظالم یہ زلف کالی
کرکے وہ ناز عشوہ عشّاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھو یہ چست چالی
بیچارہ اک نہیں میں آشفتہ اُس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں، کیا حسن لایزالی

—

"موتوا" میں ہے بشارت، اس عشق کی اشارت
مرنے میں ہے صفاتی، پاؤ گے تم حیاتی
ہو جا فنا بقا میں، اس حسن میں لقا میں
حق کی قسم تو حق ہے، بن جا تُو ذاتِ ذاتی
اس شمع پر پتنگے، آئے ہیں کیا اُچھل کر
ترسیں گے وہ نہ ہرگز جن کو ملی مماتی
منصور کا یہ قصہ معراج ہے سراسر
سُولی پہ دیکھ لے تو اثبات میں ثباتی
سمجھا "سچل" نے بیشک مجھ میں ہے حق سمایا
جب سے ہے دل لگایا، دوئی رہی ہے جاتی

—

بہتر ہے ایسی زندگی، بن عشق ہے شرمندگی
بن عشق ہے شرمندگی، بہتر ہے ایسی زندگی
جس کو صنم کا درد ہے، رویت اُسی کی زرد ہے
اس اُس جگت سوں سرد ہے، صف عاشقاں میں مرد ہے
عاشق وہی جس غم ہوا، دونوں جگت اک دم ہوا
دن رین اس ماتم ہوا، آنکھوں سے اب آگم ہوا
برہا جو ہے بدنام ہے، باطن سے کلّی کام ہے
نے چین نے آرام ہے، وہ واہ اُس ماتام ہے

—

یہ ناؤ نوش نوشاں مجروح کی دوا ہے
عشّاق کے لئے تو یہ اصل سے شفا ہے
یہ ہے طریقِ مشکل آسان نہ اس کو سمجھو
اس عشق میں اے یارو، صد جور صد جفا ہے
سر کی نہ کر تمنا گر راہِ عشق پوچھے
یہ قتل عاشقوں کا الفت میں ہی روا ہے
اُس کو خبر نہیں ہے اس عشق کی اے یارو
جو شخص ہے یہ کہتا معشوق بے وفا ہے
آشفتگاں ہزاراں قربان سر کریں گے
"سچل" غریب مسکیں درگاہ کا گدا ہے

—

اے دوست میرے دل کو تیر نظر لگا ہے
میری یہی صدا ہے اک جانتا خدا ہے
عاشق غریب کا دل زخمی کیا ہے تونے
چیرا ہے تیرے سر پر ہاتھوں پہ بھی حنا ہے

شمشیر تیری عریاں خوں ریز ہے اے دلبر
تیر الم کے آگے عاشق ہوا فنا ہے
اے جانِ جاں تو آجا میری گلی میں اک دن
خاکِ قدم پہ تیری یہ جان و سر فدا ہے
نازوں سے تونے مارا عشّاق کو اے ظالم
خوں ریزیِ غریباں شاید تجھے روا ہے
تیرے ہی نام کا میں ہر دم رہوں گا عاشق
روز ازل سے "سچل" در کا ترے گدا ہے

—

اس درد نے اے دلبر یوں بے خبر کیا ہے
مجروح میرے دل کو در یک نظر کیا ہے
ناحق مسافروں سے آنکھوں کی ہے لڑائی
میں نے گواہ اُن پر ہر شہر و بر کیا ہے
طالیس، کیا فلاطوں، لقماں بھی قید ہوتا
اس زلف کے ستم نے سب پر اثر کیا ہے
میری گلی میں آنا، دلبر نے دی تسلّی
وعدوں نے منتظر یوں شام و سحر کیا ہے
تو اتنی بے نیازی دلبر نہ کر "سچل" سے
کیا اس گلی میں میری تونے گذر کیا ہے

—

دل کو ترا جادو لگا، نے صبر نے آرام ہے
تیری طرف سے اے صنم، نے خط ہے نے پیغام ہے
آتش لگادی جان میں فریاد پہ فریاد ہے
مرتا ہوں تیرے ہجر میں یہ سوز اک صمصام ہے

اس حال اپنی خبر کس کو سناؤں اے صنم
جنجال ہے یہ زندگی مرنا ہی میرا کام ہے
آنکھوں میں جادو ہے تری، لوٹا ہے تو نے دل مرا
ہے زلف کی وہ پیچ میں، اُس پر "سچل" یہ دام ہے

—

دل ناز سے نینوں نے لوٹا اور کیا اسرار ہے
بس، اب تو آجاؤ صنم تیرا ہی یہ بیمار ہے
تیرے ہی غمزے سے بے جان ہوں بے جان ہوں
خوبی ہے تجھ میں حسن کی، دل کو تجھی سے پیار ہے
اُس روز یہ وعدہ کیا، میں تجھ سے ہوں تو مجھ سے ہے
اے دوست پورا کر دکھا، تو نے کیا اقرار ہے
در در پھروں اس درد ہائے میں عاجز ناتواں
دل ہاتھ سے میرے گیا، تیرے گلے کا ہار ہے
یہ تار تیری زلف کا، عاشق ہے اُس میں پھنس چکا
اب چھوٹنا مشکل "سچل"، شکر خدا صد بار ہے

—

ہاتھ پر لالی لگائی آج کیا اسرار ہے
عاشقوں کا قتل ہو گا، جوں بھری تلوار ہے
چھوڑ کر سر کی تمنا آ مرے پاس ایک بار
اک نگہہ سے کر دوں واصل یہ مرا اقرار ہے
بن "سچل" تو عشق کا پروانہ شمع حسن پر
دیکھ ابراہیم پر آتش ہوئی گلزار ہے

—

اُلفت کا شہباز صنم نے میری طرف اوڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے
عرش اور کرسی پر وہ پریشاں دھرتی پر چل آیا ہے
درد مندوں کے دل پر اُس شہباز نے گھر بنوایا ہے *
جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اُس کے پر میں چھپے ہیں "سچل" پر بھی چھایا ہے

—

میں یار، یار ہوں خود، کچھ بھی نہیں تفاوت
سمجھا "انا معی" کو، دیگر کلام کیا ہے
اُس جا ملائکہ بھی میرے ہوئے سلامی
اب تو بتا اے قاضی، میرا سلام کیا ہے
"بِی یَسمع وبِی یُبصر" یہ صدقِ دل سے جانو
وہ دوست ہر جگہ ہے، اُس کا پیام کیا ہے
تحقیق اَلحقیقت ساری ہے اُس خدا کی
"سچل" ہے جب وہ مالک، تو پھر غلام کیا ہے

—

سنورے آج سر میرے برہ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرہء نیسان آیا ہے
زلیخا کی تمنا و طلب کر دیکھ کو بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعاں آیا ہے
برائے خواہشِ الفت ہوا اظہار وہ بیچوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انسان آیا ہے

---

* درمندوں' کا تلفظ سندھی لب ولہجہ کے مطابق ہے

گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر زلف شانوں پر
برائے قتلِ مشتاقاں وہ معہ طولان آیا ہے
"سچل" کر گوے سر میداں یہ سر بھی دے سریجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سر چوگان آیا ہے

—

حق پاک ہے حق پاک ہے، حق خالقِ افلاک ہے
کہ خرّم و بیباک ہے، کہ خود بخود غمناک ہے
کہ حیدر کرّار ہے، شاہِ یتیماں یار ہے
دلدل سوار، آقای ارض و مالکِ افلاک ہے
کہ ہے حسین اور کہ حسن، کہ اُس کا رنگ پیرہن
کہ سرخ گہ سبزہ بدن، گاہے وہ خوش پوشاک ہے

—

جو اپنا سرّ پہچانے، "انا سرہ" وہ انساں ہے
بڑی ہے بات راز کی، وہ ہے مشکل نہ آساں ہے
وہی ظاہر وہی باطن وہ ہم تم کا بہانہ ہے
نکل اس کفر اور اسلام کی حد سے یہ فرماں ہے
اُسی خواجہ کی خدمت میں سلاموں پر سلام اپنے
"سچل" اُس شاہ کا تہدل غُلامانِ غلاماں ہے

—

کبھی مومن کبھی مسلم کبھی کافر کہایا ہے
کبھی ملاّ، کبھی قاضی، کبھی برہامن بلایا ہے
کبھی منصور بن کر خود کو سولی پر چڑھایا ہے
زلیخا بن کے یوسف مصر کا والی بنایا ہے

—

مجھ کو بتا تُو قاضیا کیسا تمہارا کام ہے

تجھ کو کتابوں کی خوشی میرے لئے ماتام ہے

عاشق! جلادے آگ میں ساری کتابوں کے ورق

اک نام میرا یاد کر یہ دوست کا پیغام ہے

مجھ کو تو مارا ہجر نے کہتا ہے تُو آ پڑھ کتاب

گھر میرے اُس محبوب کی آمد کا اج انجام ہے

کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ عشق ہے جس کا امام

دم بھر بھلانا دوست کو نے عاشقوں کا کام ہے

آخر یہ مطلب پالیا مرشد نے یہ ہم سے کہا

بن عشقِ دلبر کے "سچل" کیا کفر کیا اسلام ہے

میاں محمد سرفراز عباسی

(وفات 1191ھ)

میاں محمد سرفراز عباسی سندھ کے تاجدار اور بانی حیدرآباد میاں غلام شاہ عباسی کے فرزند تھے۔ والد کی وفات (13 جمادی الاول 1186ھ / اگست 1772ء) پر سندھ کی حکومت کے وارث بنے۔ صاحب علم و فضل تھے مگر رموز حکمرانی سے بے خبر۔ وزیر راجہ لیکھی نے انہیں ورغلایا تو انہوں نے اپنے والد کے معتمد امیر اور بلوچ سردار میر بہرام خان کو شہید کروادیا۔ اس امیر کبیر کی شہادت (ربیع، 1189) کے بعد میاں سرفراز کی قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا اور بالآخر اپنے ظالم چچا عبدالنبی کے اشارہ سے حالت اسیری میں شہید کر دیئے گئے۔

میاں محمد سرفراز فارسی کے بلند پایہ اور پر گو شاعر تھے۔ ان کا فارسی دیوان موجود ہے۔ قید خانے میں سندھی میں ایک مناجات لکھی تھی جو آج تک زبان زد عوام ہے۔ ان کا اردو کلام غالباً کافی تھا مگر ضایع ہو چکا ہے۔ البتہ مختلف بیاضوں میں ان کے بعض اردو اشعار محفوظ رہ گئے ہیں۔ ایک فارسی قطعے میں اردو کا ایک مصرع نظم کیا ہے۔

دوش دیدم خجستہ دختر کے

ایستادہ بناز در بر کے

دست بگر فتمش بہ ہندی گفت:

چھوڑ دے ہاتھ چوریاں کر کے

مندرجہ ذیل فرد غالباً انہوں نے ایام اسیری میں کہی:

"فرد محمد سرفراز"

قفس کے بیچ میں بلبل کہاں فریاد کیا کیجیے

لکھا قسمت کا ہونا تھا چمن کوں یاد کیا کیجیے

"ایضاً لہ فرد"

ارے بلبل کسے پر باندھتی ہے آشیاں اپنا
نہ گل اپنا، نہ باغ اپنا، نہ لطف باغباں اپنا

"قطعہ سرفراز خان عباسی"*

چمن کے تخت پر جب شاہ گلشن کا تجمل تھا
ہزاراں بلبلوں کی فوج تھی ہر سوئی غلغل تھا
خزاں کے دن جو دیکھے پھر جو دیکھا شور گلشن سوں
بتایا باغباں رو رو ایہاں غنچہ ایہاں گل تھا

---

* میرزا گل حسن 'احسن' مرحوم نے یہ قطعہ ایک بیاض مورخہ "5- ماہ ربیع الاول 1320ھ/12-جون 1902ء" سے نقل کیا ہے۔

آخوند قاسم ساوِنی ہالائی

(1145؟-1215؟)

آخوند قاسم بن آخوند محمود، شہر 'ہالا' (پُرانہ) کے مشہور ساونی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد کے یہاں فارسی اور عربی علوم کی اعلیٰ تعلیم پائی۔ آپ کے والد آخوند محمود نصرپور میں مدرس تھے اور وہیں پر سنہ 1172ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات پر آخوند قاسم اپنے والد کی جگہہ پر مدرس مقرر ہوئے۔

آخوند قاسم فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ بقولہ

ہر کشورِ سخن چو خداداد شاہیم
ہر کس کند قبول مثال بیان ما
ہر کس کہ ماہر است بفنِ سخنوری
تحسین می کند بمقال بیان ما

بندہ راقم کے پاس ان کے مجموعہ کلام فارسی کا ایک قلمی نسخہ 'قاسم نامہ' کے عنوان سے موجود ہے جس کی پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:

آید خیال خال تو در قلب لالہ را
چشمِ تو داد سَر بیابان غزالہ را

ایک غزل میں اپنا پورا نام لائے ہیں

مریدِ تست قاسم ابن محمود
دلش را بخش آرام ای دلارام

اس 'قاسم نامہ' کے آخری حصہ میں دیوان کے اختتام کے بعد دوبارہ 'الف' سے 'دال' تک ردیفوں میں جو فارسی غزلیں ملتی ہیں، ان میں ہر ایک ردیف پہ ایک اردو

غزل بھی شامل ہے۔ غالباً اصل نسخہ میں یہ غزلیں 'یای' تک تھیں جس سے قاسم کے اردو زبان میں 'صاحب دیوان' ہونے کا قوی گمان ہوتا ہے۔ ان کی اردو غزلوں سے ظاہر ہے کہ قاسم نہ صرف اردو کے ایک بلند پایہ شاعر تھے، بلکہ ان کے دور میں اردو شاعری کا ذوق سندھ کے اندرونی علاقہ یعنی 'ہالا' اور 'نصرپور' میں پایا جاتا تھا۔ 'قاسم نامہ' سے ان کی اردو غزلیں یہاں پر نقل کی جاتی ہیں:

بزم میری سوں جب نگار گیا — تب مورے جیو کا قرار گیا
کیوں نہ ہووے مکان غم دل کا — کہ مرا یار غمگسار گیا
بلبل دل ہزار نالہ کیا — جب بغل سوں وو گلعذار گیا
پھر مرے پاس وو سجن آیا — شکر للہ کہ انتظار گیا
اے سجن آ مری بغل میں بیٹھ — کہ تجھ آنے سوں اضطرار گیا
خط ترا دیکھ دل خوشی سے — جیوں ریحاں کھلی، غبار گیا
جن ترے ہاتھ سوں پیالہ پیا — اس کے سر سوں سبھی خمار گیا
ڈھونڈھتا ہے اداسی اپنی دل — جو گلی میں ترے بسار گیا

قاسما! اب تری دعا سوں رقیب
پیو کی مجلس سوں بے وقار گیا

—

جب ہووے میرا سریجن بے حجاب — ذرّہ ساں گردش میں آوے آفتاب
گر پڑے سورج زمین پر زرد ہو — گر نہ ڈالے پیو وہ مکھ اوپر نقاب
مستی مدھ سیتی اس کوں کام کیا — جن پیا ہے پیو کی انکھیاں سوں شراب
آج میرے پر سجن ہے مہربان — ناز سوں مجھ پاس آتا ہے شتاب
جا اجابت کن رسی میری دعا — گھر رقیباں کا خدا نے کیا خراب
بار دیوے گا مجھے اپنی حضور — لطف سیتی وو شہِ عالی جناب

آج مل جاوے گا تیرے تئیں صنم
'قاسما' بیجا ہے اتنا اضطراب

—

کھلاتی ہے شکر دل کوں تری گفتار ہر ساعت
خیالِ مکھ ترے کا ہے مجھے دو چار ہر ساعت
خیال زلف تیری کا جو ایمان لوٹ جاتا ہے
مرے دل کی کلی کا ہے عجب زُنّار ہر ساعت
اُداسی ہوں سدا ہم نے پیا سن تمارے کا
خدا کے واسطے آکر دکھا دیدار ہر ساعت
اداسی ہو ترے درسن کا نرگس کے نَیَن سیتی
تمارے مکھ پہ کرتا ہے نگہہ گلزار ہر ساعت
جہاں کے دل نہیں آماج تیرے عشق کا ہرگز
نگہہ کا تیر انہاں کوں پیا مت مار ہر ساعت
نَیَن نرگس، دھن غنچہ کیا ہے، زلف ہے سنبل
ہوا ہے رشک گلشن کا، ترا رخسار ہر ساعت
وسیلہ کوئی نہیں دُو جا پیا تجھ باج قاسم کا *
توں ہیں دلبر، توں ہیں مُونس، توں ہیں غمخوار ہر ساعت

—

عشاق پاس راست نہ آنا عبث عبث
مکھ مجھ سوں اے نگار چھپانا عبث عبث
عشاق بن مخالف کوں اے سجن سمجھ
حسن و جمال اپنا دکھانا عبث عبث
طالب نہیں جو کوئی اسی پاس دم بدم
اے جانِ جان تجھ کو ہے جانا عبث عبث
اپنے حضور بار دے مشتاق کوں کبھی

* تجھ باج = تیرے بغیر

اتنا ارے نگار ستانا عبث عبث
ہر لحظہ اے نگار نگہہ کے شراب سوں
اغیار کوں پیالہ پلانا عبث عبث
طالب وصال کے تیئں دوری کی آگ میں
ناحق اے گلعذار جلانا عبث عبث
جو دردِ عشق سوں نہیں آگاہ 'قاسما'
احوال اپنا اس کوں سنانا عبث عبث

—

رکھا خدا نے ہے تیرے سر اوپر حُسن کا تاج
جگت (کے) خوب رخاں بھیجتے ہیں تجھ کوں باج
گگن جمال کے اوپر سجن تو ہے سورج
ہوا منیر ترے مکھ سیتی چندر کا راج
دیا ہے مجھ کوں تری زلف نے پریشانی
نہ جا توں دور کہ دل بے قرار ہے تجھ باج
جنہاں کوں ہجر نے تیرے سجن مریض کیا
بنا وصال ہے دو جا نہیں انہوں کا علاج
سرود عشق ترے کا فقط نہ میں گایا
کہ اس سرود رچھایا ہے دم بدم سیہہ راج
نکال گرد غموں کی بچھائی فرشِ خوشی
کہ میرے گھر میں ہے آنے کا دلربا کا کاج *
جگت سوں بیکل تجھ عشق میں جو ہے 'قاسم'
وو ڈھونڈھ ترے در اوپر پھرا ہے آج

—

* کاج = محفل شادی

مجھے حوالہ کیا یار گلعذار قدح
ہزار جان گرامی کروں نثار قدح
خبر نہیں ہے دو جگ کی مرے تئیں ہر گز
کہ بے حساب دیا ہے مجھے خمار قدح
چمن کے سیر کی نیں آرزو رہی دل میں
مرے سیتی کوں گھولایا ہے جیو بہار قدح
بنا پیالہ نہیں کوئی دوجا مرا محبوب
کہ ہے نزدیک مرے لالہ رو نگار قدح
مدام پل پل (و) بھر بھر دلا ارے ساقی
کہ ہے عجیب مرا یار غمگسار قدح
خمار آج مرے سر سیتی ہوا دو چار قدح
مجھے کرم سوں پلا ساقیا دو چار
خدا کے واسطے مجھ کوں منع نہ کر 'قاسم'
کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح

—

مرے دل گھس گیا وہ دلربا شوخ
پکڑتا خس کوں جیوں ہے کہربا شوخ
رہا ہے با مخالف راست آہنگ
مخالف راست کیشاں سیں ہوا شوخ
ہوا ہے آج وو دلدار مشفق
ہمن سیتی جو ساری عمر تھا شوخ
ہزاراں شکر تیرا یا الٰہی
کہ مجھ سیتی کرم سوں آ ملا شوخ
جگت کے خوبرویاں میں ہمن نے

نہیں دیکھا کہیں تجھ سا پیا شوخ
نیازی ہوں تمارا نازنینا
نہ ہو اتنا ہمن سیں بے وفا شوخ
نگہہ کر مہربانی کی نَیَن سوں
پیا 'قاسم' سیتی مت ہو سدا شوخ

—

جھلکار مکھ ترے کا ہے بجلی کے مانند
برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے مانند
طوبیٰ کوں قد (نے) تیرے دی ہے بسے خجالت
جنت نہیں نگارا تیرے گلی کے مانند
تیری فراق (نے اب) اے ماہِ راست آہنگ
دل کوں مرے کیا ہے اب بانسلی کے مانند
نیناں تری ہیں نرگس دو گال گل کھلے ہیں
ہے دھن تنگ تیرا ایکل کلی کے مانند
پہنا ہے آج شاید پیو صندلی قبا کوں
رنگ جہاں ہوا ہے سب صندلی کے مانند
دکھ دل مرے کا کھونا نئین ہے مجال کس کو
گر سب حکیم آون مل بوعلی کے مانند
اے آشنا کرم سوں اک بار آ درس دے
مشتاق ہے تمہارا 'قاسم' 'ولی' کے مانند

فقیر غلام علی زنگیجہ

(1180؟-1255ھ)

فقیر غلام علی، 'کنڈڑی' کے مشہور بزرگ اور شاعر روحل فقیر کے دوسرے فرزند تھے۔ 'شاہو سائیں' ان کے بڑے بھائی تھے، جو اپنے والد روحل فقیر کی وفات پر پہلے سجادہ نشین ہوئے۔ غلام علی کو شاہو سائیں سے عقیدت تھی اور راہ طریقت میں وہ ان کے مرید ہوئے۔ غلام علی کے دو فرزند ہوئے، روحل فقیر ثانی اور فقیر نواب خان۔ روحل فقیر ثانی اپنے والد غلام علی کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ فقیر نواب خان سندھی زبان کے شاعر تھے اور 'کافیاں' کہتے تھے۔ فقیر غلام علی نے 1839ء/ 1255ھ میں وفات پائی اور 'کنڈڑی' میں ہی دفن ہوئے۔

فقیر غلام علی ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ انہوں نے سندھی، سرائیکی اور ہندی میں اشعار کہے ہیں۔ سندھی اور سرائیکی میں ان کی 'کافیاں' محبت سے بھری ہوئی ہیں۔ جن میں انہوں نے اپنے مرشد 'شاہو سائیں' کے فیض و عرفاں کا ذکر کیا ہے۔ بعض سرائیکی 'کافیوں' کے تھلہوں (مطلعوں) میں اردو زبان کے الفاظ اور فقرے نظم کئے گئے ہیں مثلاً:

کل فقیر کوں کیتم سجدہ، 'شاہو' شاہ ہمارا *

پیر اساڈا ظاہر ہویا، شاہو شاہ سڈا وندا **

دو دناں کا میلا۔ میلا میلا سوئی میلا

---

* کیتم = میں نے کیا ** اساڈا = ہمارا۔ سڈا وندا = (اپنا نام) کہلاتا ہے

روحل اور مراد کی تقلید میں غلام علی نے بھی 'ہندی' زبان میں شاعری کی۔ ان کی ایک 'ہوری' ملاحظہ ہو۔

پریم نگر کے مانہہ، شیام سوں کھیلاوں ہوری
بندرا بن موں بین بجاوے چشماں لاوت چوری
عطر عبیر کی دھوم متی ہے، کیسر بھرت کٹوری
گگن منڈل موں دامنی چمکے، انحد کی گھنگھوری
آپ سوں آپ ہیں کھینچ لیو ہے، پاے پریم کی ڈوری
'شاہو شاہ' کے سرنے آیا، پریت لاگی تب موری
'غلام علی' اب گیان گلی میں، ملیو شام کشوری

■

دریاخان زنگیجہ
(1190ھ ؟-1270ھ)

دریاخان 'کنڈڑی' کے مشہور بزرگ روحل فقیر کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ ان کی ولادت سنہ 1190ھ کے لگ بھگ کنڈڑی (ضلع خیرپور) میں ہوئی۔ چونکہ بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا، اس لئے ان کی تربیت ان کے بڑے بھائی فقیر غلام علی کے ہاتھوں ہوئی۔ فقیر غلام علی اپنے والد روحل فقیر کے سجادہ نشین تھے اور دریاخان نے ان کو اپنا مرشد تسلیم کیا۔

دریاخان کے حقیقی بھائی خدابخش بھی ان سے بڑے تھے اور سرائیکی زبان کے شاعر تھے۔ انہوں نے سنہ 1843ء میں انتقال کیا۔ دریاخان غالباً اپنے بڑے بھائی خدابخش کی وفات کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہے۔

دریاخان کا سندھی اور سرائیکی کلام 'بیتوں' (ابیات) اور 'کافیوں' پر مشتمل ہے۔ وہ سندھ کے مشہور 'کافی' گوشاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے والد کی طرح انہوں نے 'ہندی' میں بھی شعر کہا جو دوہوں، بانیوں اور شبدوں پر مشتمل ہے۔

دوہے

پریم تو میرے وس نہیں، پریم نہ میرے ہاتھ
ستگر سا ودوان ہو کہہ سمجھائے بات

—

رام رام کے نام سوں جن کو لاگی پریت
دریا خان ایہہ سنسار موں ہاری لیوی جیت

—

پریم پارکھو کوئی نہیں جو کرے پریم پچھان
دریا خان جس گھٹ پریم ہے وہاں ہے پر گھٹ گیان

—

روگی روگ سریر کی سنگت، نام سوں جیوں جل پانی
دریا خان آس نراس برابر، جو دیکھا ہے سو فانی

بانی

مت بھولو من مت بھولو ہر نام سمر من مت بھولو
ستگر سبد میں اُلٹ سمایو کایا کاشی تیرتھ نایو
من کی پنج مواس منائو گیاں ہنڈولے میں جھولو

شبد

شام مندر آیو رے، سکھی میرو کان
بندرابن میں کھیلے ہوری، سنمکھ صاحب شام کشوری
رادھا روپ بنایو رے
پان سکھی مل منگل گاؤ، چنگ مردھنگ کی چوٹ چلاؤ
رنگ رس تال بجایو رے
دریا خان اے پد تب ہیں پایا، ستگر سبد میں سہج سمایا
آپ آپے گن گایو رے

■

میر کرم علی خان 'کرم'

(1187؟1244ھ)

میر صوبدار خان شہید کے چار ہونہار فرزندوں (میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان) میں سے کرم علی خان تیسرے نمبر پر تھے۔ سنہ 1206ھ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کلام پاک حفظ کیا، جس کے لئے میر عظیم الدین ٹھٹوی نے کہا:

میر حافظ کرم علی کردہ　　　حفظ قرآن بطالع افوق
عقل کل سال این نوید عظیم　　　گفت "حفظ کلام واحد حق"
1206ھ

'سرکار عظمت مدار' میر کرم علی خان اپنے بڑے بھائی میر غلام علی خان کی وفات (1227ھ/1812ء) پر سندھ کے حکمران اور امیروں کے سربراہ بنے۔ سخن سنج و سخن پرور تھے۔ طبع موزوں پائی تھی۔ تخلص 'کرم' اختیار کرتے تھے۔ ان کا دربار اہلِ علم و فن اور شعرا کا مرجع اور مرکز بن گیا۔ میر عظیم الدین عظیم، منشی صاحبراء آزاد، آقا محمد عاشق اصفہانی، مرزا مظہر، نواب ولی محمد خان لغاری ولی، میر ہوتک افغان، سید طباطبائی، میر سید علی مشتاق، مخدوم نور محمد بوبکائی، آخوند نور محمد ہالائی، مرزا خسرو بیگ، میر کاظم شاہ سرخوش، سلیمان حاجی، عبدالمجید جو کھیہ مجیدی وغیرہم شعراء ان کے کرم و قدردانی سے بہرہ ور ہوئے فارسی شعراء کے دو تذکرے 'محک خـ ـرِوی' اور 'زبدۃ المعاصرین' ان کے دور میں مرتب ہوئے۔

12 جمادی الثانی 1244ھ میں وفات پائی۔ "باغِ ارم" اور "بادا بہشتش بارگاہ"
(1244ھ)　　(1244ھ)

سے مادہء تاریخ نکلتا ہے۔ حیدرآباد میں دفن ہوئے۔ ان کا مقبرہ عہد تالپور کے فن تعمیر کی بہترین مثال ہے۔

کرم علی خان 'کرم' سندھ کے تالپور حکمرانوں میں پہلے سربر آوردہ شاعر تھے۔ ان کے فارسی 'دیوان کرم' کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اردو میں بھی اشعار کہتے تھے۔ ان کے کلام کا "انتخاب لاجواب" آخوند محمد بچل 'انور' نے مرتب کیا۔ اس میں کرم کے اردو اشعار بھی ملتے ہیں۔ یہاں ایک غزل نمونہ کے طور پر دی جاتی ہے۔ زبان کس قدر صاف و شستہ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے 'کرم' موجودہ دور کا شاعر ہے:

صبحدم یاد مجھے چاک گریباں آیا
پھر تصور میں مری وہ رخِ تاباں آیا
سیر گلشن میں نظر میری پڑی غنچوں پر
دل میں پھر مرے خیالِ لبِ خنداں آیا
سیر بستاں میں مرے سامنے سنبل آیا
دل یہ بولا کہ وہی گیسوی پیچاں آیا
سروٗ کو باغ میں دیکھا جو کہیں ہم نے 'کرم'
یاد مجھ کو وہیں وہ سرو خراماں آیا

■

میر مراد علی خان 'علی'

(1188؟-1249ھ)

'سرکار جہاں مدار' میر مراد علی خان اپنے بڑے بھائی میر کرم علی خان 'کرم' کی وفات کے بعد 1244ھ/1828ء میں سندھ کے امیر کبیر ہوئے۔ کرم علی خان 'کرم' کے بعد مراد علی خان 'علی' کا دربار فن و ادب کا گہوارہ بنا رہا۔ صاحب ذوقِ سلیم تھے اور فارسی 'دیوان علی' بطور یادگار چھوڑا۔ سنہ 1237ھ میں 'محک خسروی' کو مرتب کیا جو زیادہ تر معاصر شعراء کے منتخبہ کلام پر مشتمل ہے۔ طب سے بھی خاص دلچسپی تھی اور 1246ھ میں انہوں نے فارسی میں "طب مراد" تصنیف کی۔

6۔ جمادی الاثانی سنہ 1249ھ / 1833ء میں وفات پائی اور حیدرآباد میں دفن ہوئے۔ 'علی' نے فارسی کے علاوہ اردو میں بھی غزلیں کہیں۔ ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو:

مجھ پر جو ہے احساں گرانبار صنم کا
میں کیا کہوں ہوں میں تو خریدار صنم کا
نکلا جو کبھی مہر میں ابر سیہ سے
یاد آیا مجھے چہرۂ گلنار صنم کا
کیا سرو کو نسبت قد موزوں سے کوئی دے
وہ خود ہی ہے گرویدۂ رفتار صنم کا
ہے عرض 'علی' کا تری سرکار میں مولیٰ
دکھلاؤ مجھے جلد ہی دیدار صنم کا

میر غلام علی 'مائل'

(1181-1251ھ)

میر غلام علی 'مائل' سندھ کے مشہور مورخ، شاعر اور مصنف میر علی شیر 'قانع'' کے ہونہار فرزند تھے۔ سنہ 1181ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا میر ضیاء الدین 'ضیا' اور اپنے چچازاد بھائی میر عظیم الدین ''عظیم'' کی صحبتوں سے مستفید ہوئے اور ان کے شاعرانہ ذوق میں اضافہ ہوا۔ ''مائل'' تخلص اختیار کیا۔ وہ تالپوری عہد کے شاعر تھے۔ میر کرم علی خان ''کرم'' نے انہیں خاص طور پر نوازا، اور مائل اپنے قصائد، منقبت اور نظموں میں اکثر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

19۔ذی الحجہ سنہ 1251ھ میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔

مائل فارسی زبان کے پر گو شاعر تھے۔ غزلیں، منقبتیں، سلام اور مرثیوں کے علاوہ تاریخی قطعات اور نظمیں بکثرت لکھیں۔ تاریخ گوئی میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، اور اس 'فن' میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر ان کا ہم پلہ ہو۔ اپنے زمانے اور اپنے ماحول کے تقریباً ہر اہم واقعہ کی تاریخیں لکھیں۔ ان کے متعدد قطعات سے سندھ کے تاریخی واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ *

مائل اردو کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ یہاں ہم ان کے ایک مرثیہ اور سلام سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

مرثیہ

پھر ہوا ہے مہ عزائے حسین — پھر ہوا ہے مہ جفائے حسین

دیکھ اس غم میں کربلائے حسین — دہر دشت بلا ہے وائے حسین

* ملاحظہ ہو 'کلیات مائل'، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی، 1959ء

ہے جہاں پر شوروغل اس غم سوں — آسمان سبز پوش اس غم سوں
دل و جاں خوں بجوش اس غم سوں — خوں بگزیند از برائے حسین
"مائل" اس غم سوں ہے سدا غمناک — با دلِ خستہ و جگر پُر چاک
دو جہاں میں اسے نہیں کوئی باک — دارد امید از شفائے حسین

سلام

اے صبا جا در مدینہ مصطفیٰ کوں کہہ سلام
اس سراپا نور ذاتِ کبریا کوں کہہ سلام
آفتاب اوج دیں بدرالدجیٰ کوں کہہ سلام
نور مجمل حضرت نورالہدیٰ کوں کہہ سلام
اے صبا بعد از سلام آن رسول مقتدا
جا شتابی در حریم حضرت خیرالنسا
از ادب استادہ با صد زاری و صد التجا
بضعۂ ذات رسول مقتدا کوں کہہ سلام

—

اے صبا پھر در جناب چاردہ معصوم پاک
از دل "مائل" کہ ہے غم سیں اُنوں کے سینہ پر
بہر دفع زخم ہای سینۂ آں دردناک
ایک اک معصوم آلِ مصطفیٰ کوں کہہ سلام

میر محمد نصیر خان 'جعفری'

(1219-1261ھ)

'سرکار فیض آثار' میر محمد نصیر خان بن میر مراد علی خان سندھ کی آزاد حکومت کے آخری فرمانروا تھے۔ 14۔ محرم الحرام سنہ 1219ھ میں، قلعۂ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کی تعلیم کے لئے ایک ایرانی عالم اور آخوند محمد بچل متعلوی مقرر ہوئے۔ اپنے والد میر مراد علی خان کی وفات پر وہ اپنے بڑے بھائی میر نور محمد خان کے ساتھ سندھ کے حکمران ہوئے۔

1843ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کرلیا تو 17۔ فروری 1843ء کو میر صاحب گرفتار ہوگئے۔ پہلے بمبئی بھیجے گئے اور وہاں سے ساسور، جہاں ایک سال قید رہے۔ اس کے بعد اُنہیں کلکتہ منتقل کردیا گیا۔ اپنی تکالیف کا بیان اُنہوں نے اپنے منظوم 'سفرنامہ' میں کیا ہے، جو نہایت دلگداز ہے۔

ز بعد جفا و ستم بیکران — ز ملکم کشیدند این سو روان
نخستین چو در بمبئی آمدیم — یکی ماہ آنگہ بہ ہمدم زدیم
ازان جای منزل بہ منزل روان — بہ پونہ رسیدیم باسوز جان
دو روز و دو شب بودم آنجا اگاہ — بہ روز سیوم بر گرفتیم راہ
نہ گشتیم زان جانگہ رہگرای — سوئی شہر 'ساسور' محنت سرای
بہ ساسور بودیم سال تمام — گرفتار در رنج ہر صبح و شام
ز ساسور اول بہ 'پونہ' شدیم — دور روز دو شب نیز آنجا بدیم
ز پونہ بہ منزل بہ منزل روان — رسیدم بہ 'پنویلی' از درد جان
سہ روزہ دگر بود آنجا مقام — گرفتار از غم بہر صبح و شام

به روز چهارم به غم بے شمار — به گشتیم ما بر بتیله سوار
ابر آگبوٹ 'تناسر' به نام — سواره به گشتیم ناکام کام
سخن مختصر ما ازان جائگاه — سوئی کلکته مر گرفتیم راه
دو ہفته چو کشتی به پیموده راه — بیامد شتابان بوقت پگاه
درون کلکته شہر آمد ز راه — نمودند لنگر دران جائگاه
به بودیم آن شب به کشتی درون — سر صبح کردند ز انجا برون
به 'دمدم' به دادند جای قیام — نمودیم آن جایگه ما مقام

اس زمانے میں انہوں نے اپنے عزیزوں کو خطوط لکھے، جو 'مکاتیب جعفری' کے نام سے ان کے نامور فرزند میر حسن علی خان 'حسن' نے مرتب کئے۔ میر محمد نصیر خان 'جعفری' نے قیدِ فرنگ میں کلکتہ کے قید خانے میں 7ربیع الثانی 1261ھ کو وفات پائی اور ان کی نعش کو لاکر حیدرآباد (سندھ) میں دفن کیا گیا۔

'جعفری' علم و ادب کے مربّی اور شعر و سخن کے بڑے قدر دان تھے۔ ان کے دور میں بہت سے باکمال ادیب و شاعر آکر حیدرآباد میں آباد ہو گئے تھے، اور میر صاحب سے ان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ جس طرح ظفر کے بعد دھلی اور واجد علی شاہ کے بعد لکھنو ویرانہ ہو گیا اسی طرح جعفری کے بعد حیدرآباد میں بھی علم و ادب کا چراغ گل ہو گیا۔

فارسی میں ان کی تصانیف یہ ہیں: (1) دیوان جعفری (تصنیف سال 1223ھ) (2) مثنوی مرزا صاحبان مصور (تصنیف 1235ھ) (3) مثنوی مختار نامہ باتصویر (1241ھ) (4) سفر نامہ جعفری (1260ھ) (5) مکاتیب جعفری۔

تکلمہ کے مصنف ابراہیم خلیل نے ان کے "دیوان مختصر در ہندی" کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان کا 'دیوان جعفری' اردو میں ہے جو انہوں نے ساسور اور کلکتہ میں قید کے زمانے میں سنہ 1261ھ میں مرتب کیا۔ دیوان اتنا 'مختصر' بھی نہیں کیونکہ اس میں 122 اُردو نظمیں، 8 اُردو مخمس، 3 فارسی غزلیں، اور 2 فارسی مخمس شامل ہیں۔ 'دیوان جعفری' کی ایک غزل یہ ہے۔

مرا سینہ تو ہے گنجِ سعادت عشق جاناں کا
یہ سر ہے بہرِ سجدہ شکر کرتا ہوں میں سبحاں کا
پڑا ہوں بسترِ غم پر نہیں گر پوچھنے والا
ترا دیدار چارہ ہے دلِ بیمارِ ہجراں کا
کروں تعریف قد کی یا کروں زلفِ پریشاں کی
زباں سے کچھ بیاں ہوتا نہیں اس شاہ خوباں کا
ہوئی ہیں شرمگیں آنکھوں سے تیری، چشم آہو بھی
خجل ہوتا ہے تیرے رخ سے رخِ خورشید تاباں کا
دعای 'جعفری' صبح و مسا گر ہے تو بس یہ ہے
کہ روضہ دیکھ لوں میں یا خدا شاہِ خراساں کا

ایک منقبت ملاحظہ ہو*

تم سوا کوئی وصی احمدِ مختار نہیں
جانشیں نبوی دین کا سردار نہیں
ذوالفقار ایسی جہاں میں کوئی تلوار نہیں
مرتضیٰ شاہ ولایت سا سپہدار نہیں
یا علی جلد خبر لیجئے از بہر خدا
تجھ سوا اور کوئی میرا مددگار نہیں
مشکل آسان کرو 'جعفری' کی یا حیدر
میں تو چھوڑوں گا قدم آپ کا زنہار نہیں

میر نصیر خان کا یہ مخمس قید فرنگ میں ان کے رقت آمیز جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس گھڑی مشکل میری آساں کرو
درد میرے کا ابھی درماں کرو

* از بیاض مرزا گل حسن 'احسن' کربلائی مرحوم

قید سے چھڑوا مجھے شاداں کرو
بہر خالق اب مجھے خنداں کرو
کر مری مشکل کشائی یا علی

غم کے دریا میں پڑا ہوں مستمند
اور مجھے ناحق کیا ہے قید و بند
پھر کرو مجھ کو عطا بختِ بلند
دین دنیا میں مجھے کر ارجمند
کر مری مشکل کشائی یا علی

'جعفری' کو عفو کر جو ہیں گناہ
ہے تمہارے پاس وہ بھی داد خواہ
دو جہاں میں تم تو ہو شاہوں کے شاہ
پھر مجھے دو تخت و بخت و عزّ و جاہ
کر مری مشکل کشائی یا علی

میر صوبدار خان 'میر'

(1217-1262ھ)

بانی حکومت تالپوران میر فتح علی خان کے صاحبزادے میر صوبدار خان 9 محرم 1217ھ کو پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو 'سرکار حشمت مدار' کے لقب سے اپنے چچا اور بعد میں چچازاد بھائیوں کے ساتھ سندھ کی حکومت میں شامل رہے۔ "صوبدار جہاں فتح علی" اور "ظل احمد تاج فرق صوبدار" ان کے سجعے تھے۔ دھوکہ کھا کر انگریزوں کے ساتھ سازش میں شریک ہوگئے، لیکن جب انگریزوں نے قلعہ حیدرآباد پر قبضہ کیا تو ان کو بھی گرفتار کر لیا۔ 14۔ رجب 1262ھ میں کلکتہ میں قید فرنگ کی حالت میں انتقال کیا۔ خدا آباد (نزدیک ہالا ضلع حیدرآباد) کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

صوبدار خان المتخلص بہ "میر" کو علم و ادب سے بیحد دلچسپی تھی۔ فارسی کے پر گو شاعر تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں: (1) دیوان میر، فارسی 1240ھ (2) مثنوی فتح نامہ سندھ، فارسی 1244ھ (3) مثنوی سیف الملوک، فارسی 1247ھ (4) مثنوی خسرو و شیرین، فارسی 1251ھ (5) مثنوی قصہ ماہ و مشتری، فارسی 1252ھ (6) مثنوی جدائی نامہ، فارسی 1260ھ۔ ان کے علاوہ ایک کتاب 'خلاصۃ التداوی' مرتب کی، جو مجربات طب پر مشتمل تھی۔

میر صوبدار خان اپنے فارسی دیوان کی ابتدا میں لکھتے ہیں کہ ان کے تین دیوان گم ہوگئے ہیں:

سہ دیوان پیش ازین گم شد ز دستم
بہ ترتیب آمد از طبع درستم

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے موجودہ دیوان سنہ 1240ھ میں

تصنیف کیا۔

فارسی کے علاوہ 'میر' نے سندھی اور اردو میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کی ایک اردو غزل ملاحظہ ہو:

اے دل ہیں سنی تو نے تو اخبار محبت
کیوں تجھ کو پسند آگیا آزار محبت
کیوں آیا نہ اب تک وہ کوئی اس سے یہ پوچھے
ہے اب تو کوئی دم کا یہ بیمار محبت
شیریں سخنی ختم ہوئی تیرے لبوں پر
بے مثل ہیں یہ لعل شکر بارِ محبت
دعوای محبت سے ہے کانٹوں میں الجھنا
کیوں مدعی بنتا ہے گراں بار محبت

سید قنبر علی شاہ بھاڈائی

(1200؟1264ھ)

سید قنبر علی شاہ کے والد کا نام بچل شاہ تھا جو 'بھاڈ' نامی گاؤں (شہر سجاول سے دس میل دور جنوب میں، تحصیل جاتی، ضلع ٹھٹہ) میں رہتے تھے۔ وہیں پر سید قنبر علی شاہ سنہ 1200ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور اپنے مولد 'بھاڈ' کی نسبت سے 'بھاڈائی' مشہور ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں قنبر علی شاہ 'گنبالی' نامی گاؤں (تحصیل گھوڑا باری، ضلع ٹھٹہ) کو منتقل ہوئے اور وہیں پر مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی۔

شاہ صاحب تزکیہ نفس کے لئے زہد و عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور کافی صعوبتیں برداشت کیں۔ ایک اہل دل اور صاحب حال صوفی تھے۔ اندازاً چوسنٹھ برس کی عمر میں تاریخ 25۔ ماہ ذی الحجہ 1264ھ میں فوت ہوئے اور اپنے گاؤں 'گنبالی' میں دفن ہوئے جہاں پر ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

قنبر علی شاہ سندھی زبان کے سربر آوردہ شعراء میں سے تھے اور 'شریف' تخلص اختیار کرتے تھے۔ حضرت شاہ عبداللطیف کی نہج پر 'بیتوں' اور 'وائیوں' پر اپنے 'رسالہ' کو منظوم کیا۔ اس 'رسالہ' کے "سر بیراگ ہندی" کے تحت انہوں نے ہندی میں دوہے نظم کیے جن میں سے اکثر ضایع ہوچکے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان کا ایک دوہا قلمبند کیا جاتا ہے:

رام بھگت ایکاند ہے، جے سر پائے ساز
'شریف' پنتے بکھیا روٹی کے لحاظ*

■

---

* بھکیا پنتے = بکھیا مانگتے

نظر علی فقیر زنگیجہ

(1225؟-1265؟)

خدا بخش سائیں کے فرزند اور روحل فقیر کے پوتے تھے۔ 'کنڈڑی' میں تولد ہوئے۔ ان کے والد خدا بخش سائیں 1243ھ میں فوت ہوگئے، اور نظر علی نے راہ طریقت میں اپنے چچا دریا خان فقیر سے ہدایت لی اور ان کو اپنا مرشد تسلیم کرلیا:

"دان دھیان گیان دریا خان، گور داتا موہ دیجئے"۔

فقیر نظر علی نے سندھی، سرائیکی، ہندی اور اردو میں اشعار کہے، جن میں سے 6 شبد اور 16 کافیاں 'کنڈڑی' کے بزرگوں کے مجموعہ کلام (قلمی) میں بندہ راقم کی نظر سے گذریں۔ فارسی شعر ہے کہ:

دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد
عجائب کشمکش دارم، کہ جانم مفت می کاہد

نظر علی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

دل چاہے دلدار کو، تن چاہے آرام
دُبدھیا میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام

اپنے ایک دوہے میں کہتے ہیں:

دان دھیان گیان دریا خان، گور داتا موہ دیجیے
نظر علی مری آد کی پریت اب چھانی کیوں کر کیجیے

ایک دوسرے دوہے میں توحید کی ترغیب دیتے ہیں:

نظر علی اک صاحب جانو　　اس بن اور نہ دوجا جانو

نظر علی فقیر کی دو کافیاں' ملاحظہ ہوں جن میں سے دوسری صاف اردو میں ہے۔

کافی۔1

ہِک تُو ہری مرے ہردے بسے میں تو اور کچھو نہیں جانوں

1۔سادہ سنگت وڈ بھاگ آوے مستک بھاگ سے پربھو پاوے

آتم رام دھیاؤں

2۔ سم سم پربھو پایو جنہیں انند سکھ ہے گھٹ تنہیں

گیت گرو گن گاؤں

3۔دھن دھن سادھجے ہر ہر نالے من میں مست مگھن متوالے

آتم اُلٹ سماؤں

4۔گور دریا خان پیالہ جو پایا جنم مرن کا دکھ مٹایا

انحد ناد بجاؤں

5۔ نظر علی ابناسی دھیاؤں انبھوُ دیس میں نگر بساؤں

امرا (پور) پد پاؤں

کافی۔2

ادھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ چل تو یار کے دیرے

اُدھر تن مجھ سے کہتا ہے کہ تو دکھ مجھ کو مت دے رے

1۔ جو کہنا دل کا سنتا ہوں تو وہ رہتی ہے گھر میرے

اگر تن کی سنوں باتیں، تو پھر دکھ دیوے بہتیرے

2۔ نہ دل مانے نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے

کروں میں کیا "نظر"، ایسی مشکل آن کر گھیرے

محمد یوسف فقیر آگڑہ

(1200؟-1269ھ)

فقیر محمد یوسف ضلع خیرپور کے "اگڑا" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اگڑہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مشہور درویش اور شاعر تھے۔ ڈنہ عرف 'سچل' کے مرید تھے۔ مشہور ہے کہ امرتسر گئے تھے اور وہاں سے واپسی پر خود کو 'نانک شاہ یوسف' کہلوانے لگے اور عوام میں 'نانک یوسف' کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ایک اہل دل درویش تھے۔ لوگ ان کے مرید ہونے لگے۔ بیعت لیتے وقت وہ مرید سے اردو میں یہ الفاظ کہتے تھے کہ "تم بھی سچے کا میں بھی سچے کا"۔

فقیر محمد یوسف جامہ پہنتے تھے اور پیروں میں گھنگھرو باندھ کر گاتے اور مستی میں ناچتے تھے۔ موسیقی سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے 9۔ جمادی الاول 1269ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات پر فقیر قادر بخش 'بیدل' نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

سال وصلش خرد بجہت سروش

گفت طائر بہ آشیان رفتہ

(1269ھ)

فقیر محمد یوسف نے فارسی میں اشعار کہے اور سندھی اور سرائیکی زبانوں میں کافیاں بکثرت کہیں۔ ان کے مجموعہ کلام کے ایک قلمی نسخے سے راقم نے سنہ 1956ء میں استفادہ کیا، جس میں بعض کافیوں کے مطلع اردو میں تھے اور اور بعض پوری پوری کافیاں اردو میں تھیں۔ نمونے کے طور پر ہم بعض کافیوں کے مطلع اور مصرعے اور بعض پوری کافیاں* قلمبند کر رہے ہیں:

---

* 'کافیاں' عروض کی پابند نہیں۔ ان کے مطلع اور مصرعے الحان پر مبنی ہیں نہ ارکانِ عروض پر۔

ہم دیکھا ہے دیدار، برہ بازار، تماشا پل پل کا وہ واہ
ہم جاؤں گی بلہار، ہمارے یار حسن کا جل جھلکا وہ واہ
جب پیتا جام شراب، ہوا بے تاب، نشہ میں خواب، غرق در "ہو"
جوں بھونرا میں گلزار، مقیّد دار زلف کے سلسل کا وہ واہ

—

براہ عشق عاشق دم برو رو رو ہو ہو ہو
رکھو دونوں جہاں دل غم برو رو رو ہو ہو ہو

—

یار یوسف یار ہے ہادی ہمہ دیدار ہے

—

ہے ہر جا حکم تمہارا سن ہادی حال ہمارا

—

تحقیق تجھ دَرَس بن فریاد میں مروں گی
تم داد کے ہو صاحب، امداد میں مروں گی

—

تجھے دل درد رکھتے ہوں، نہ مرتے ہوں نہ جیتے ہوں
خدا کے واسطے مجھ پر، پڑا ہے شوق کا شعلا

—

مجھ سیں بناتا ہے صنم نو نو گوڑھے نین

—

عشق امام ہمارا ہے دو جگ یار نظارا ہے

—

پیا! ترے مکھ پر خال خال کالے یوں
دو زلف بسیہر بال بال کالے یوں

—

میں پییا مے ناب تجھ لب کا
سو گلگوں شراب تجھ لب کا
میم مصحف رخ تمہارا ہے
ہم پڑھتے کتاب تجھ لب کا

—

ساون میگھلو برشن آیو
بن بن پھولیں پھولیں سہج سمایو
1۔ گگن گرجت، لرجت، برجت
دامنی جھم جھمکایو۔ سہج سمایو
2۔ گھگھنت گھن گھن، بوندن پھن پھن
چپلا چمک درایو۔ سہج سمایو
3۔ اچھی رُت پھلے پھل بادریو برشے
سب جیرڑے سکھ پایو۔ سہج سمایو
4۔ یوسف ڈرم ڈرم میگھ موہن من
بریم برج برسایو۔ سہج سمایو

—

تورے زلف کا زنجیر مورے گل میں دام ہے
تجھ دید میں دم عید جماجم کا جام ہے
1۔ منصب ہے عشق عاشق، مقصود یک نگاہ
مجھ کوں بہ آستانہ، مسجد سلام ہے
2۔ در پیچ زلف نانک یوسف تو آمدہ
تڑپھن سوں چھوٹے ناہیں، چھوٹا کلام ہے

—

کافی (موسیقی لئے)

اہے توم توم تن اندر تا نا نا نا
دیہی دیہی دھم دھم تھا تھا تہ تھئی تھئی پریم

1۔ گگن گرجت، بدرت برجت۔ ماتا جیر، ودرجت چمکت
گجرت کا کا کا کا، سُن دُھن اُدھ بیئا

2۔ گت گت بانا بانا جھنگت۔ چھانا نانا ابر دو ذر بکت
گھنگت گھنا نانا درِ درِ درِ درِ دھا دھا دھو دھو دَھجیئا

3۔ منگنت منگتت کرمت۔ رحمت یوسف تو شفقت
لطفتؔ چاہت، تاری تاری گھورمت تار بجیئا

■

نواب غلام شاہ لغاری

(1214؟-1278ھ)

نواب غلام شاہ بن نواب غلام اللہ خان لغاری، وزیراعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے بھتیجے تھے۔ سنہ 1214ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ والد کی زیر نگرانی تعلیم پائی۔ جب ان کے والد علاقہ عمر کوٹ کے گورنر تھے، تو وہ اُن کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ پھر انہیں اسلام کوٹ (ضلع تھرپارکر) کا ناظم مقرر کیا گیا جہاں انہوں نے "سوڈھوں" کی بغاوتوں کا قلع قمع کر دیا۔ ان کے والد نواب غلام اللہ خان کی وفات (1253ھ/1838ء) کے بعد والی سندھ میر نور محمد خان نے نواب غلام شاہ کو علاقہ 'جاتی' کا ناظم مقرر کیا، تاکہ 'ریاست کچھ' میں انگریزوں کی سازشوں پر نظر رکھی جاسکے۔ سنہ 1838ء کے آخر میں انگریزوں نے شاہ شجاع کو کمک پہچانے کے بہانے سے اپنی بمبئی والی فوج سندھ میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ یہ فوج سمندر سے دریائے سندھ کے راستے '...' بندر' (ضلع ٹھٹہ) پہنچی، لیکن نواب غلام شاہ انگریزوں کی آمد سے ایک مہینہ پہلے اس سرزمین پر پہنچ گئے اور خریف کی فصل کے پورے اناج اور دوسری پیداوار پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی فوج کو رسد مہیا نہ ہو سکی۔

کرنل پاٹنجر، جو انگریزوں کی طرف سے حیدرآباد میں سفیر تھا، اس نے یکم دسمبر 1838ء کو گورنمینٹ آف برٹش انڈیا کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ 27۔ نومبر کو اسے لیفٹینینٹ اسٹوک کا خط ملا کہ فوج دریائے سندھ کے دہانے پر پہنچ گئی ہے، لیکن غلام شاہ جنہیں میر نور محمد نے ایک ماہ پیشتر وہاں بھیج دیا تھا، انہوں نے نہ صرف اناج اپنے قبضہ میں لے لیا ہے، بلکہ ہر قسم کی رسد کو فوج تک بھیجنے سے انکار کر دیا ہے۔

1842ء میں میر شہداد خان نے نواب غلام شاہ کو اپنا سفیر بنا کر سر چارلس نیپئر

کے پاس سکھر بھیجا جو ان سے بہت متاثر ہوا۔ سندھ پر قبضہ کے بعد سنہ 1844ء میں انگریزوں نے نواب غلام شاہ کو بدستور کاردار مقرر کیا اور وہ آٹھ سال تک اس ملازمت پر متعین رہے۔

نواب غلام شاہ نے 19 اپریل سنہ 1861ء / 1278ھ میں وفات پائی۔ نواب موصوف نہ صرف انتظامی لیاقت رکھتے تھے، بلکہ اپنے وقت کے ادیب، شاعر، حکیم اور اہل دل صوفی بھی تھے۔ راہ طریقت میں انہوں نے جھوک عرف میراں پور کے صوفی بزرگ فضل اللہ شاہ قلندر (وفات 1243ھ) سے فیض حاصل کیا۔ سنہ 1266ھ میں، شاہ قلندر کے ملفوظات پر مبنی کتاب "دردنامہ" کو نقل کیا جس کے آخر میں لکھا ہے:

"نسخہ دردنامہ از دست حقیر غلام شاہ فقیر لغاری بتاریخ بیست و نہم ماہ رمضان المبارک بروز جمعہ سنہ 1266ھ صورت تحریر یافت"۔

اس کے بعد انہوں نے خود سلوک اور معرفت کے متعلق فارسی میں رسالہ "انیس العاشقین" لکھا۔ سنہ 1270ھ میں "نسخہ شلوک تصنیف نانک شاہ" نقل کیا جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

انند سنا تیرے گن گاواں ہر دم تیرے نام دھیاں واں

آخر میں تاریخ کتابت اس طرح قلمبند کی ہے:

"نسخہ شلوک تصنیف نانک شاہ ساکن امرتسر، مرشدش شاہ امانت اللہ صوفی ساکن ولایت کشمیر، از دست امیدوار عفو عمیم بندہ درگاہ الٰہی غلام شاہ لغاری بتاریخ بیست و سیوم ماہ ربیع الاول سنہ 1270ھ تحریر آمدہ"۔

"نسخہ ادویات" کے نام سے طب کے مجرب نسخے لکھے، جس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "نسخہء ادویات بعضی از کتابہای و بعضی آزمودہ خود بندہ درگاہ غلام شاہ ولد غلام اللہ فقیر لغاری تجویز کردہ نوشتہ شد"۔ سنہ 1274ھ میں "نسخہ ظفرنامہ" نقل کیا جس کے آخر میں لکھا ہے کہ "نوشتہ ماہ ربیع الاول سنہ 1274ھ در شہر خانپور"۔ تصوف کے متعلق فارسی میں ایک کتاب بنام "غوثیہ" لکھی۔

نواب غلام شاہ نے سندھی، سرائیکی، فارسی اور ریختہ میں شاعری کی۔ موسیقی

سے خاص شغف تھا اور مختلف دھنوں میں سیکڑوں 'کافیاں' منظوم کیں۔ 'کافیوں' پر مشتمل ان کی دو ضخیم بیاضیں بندہ راقم کی نظر سے گذریں ہیں جن میں سندھی اور سرائیکی کافیوں کے علاوہ "ریختہ" میں بھی کافیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ایسی کافیوں کا عنوان خصوصاً "ریختہ" لکھ دیا گیا ہے۔

یہاں پر ہم ان کی 'ریختہ کافیوں' کا انتخاب دے رہے ہیں۔

"ریختہ کافی روپ بلاول چوتال"

آوو رے سجن ہمارے پاس پریت لگی رے گگن گھنیری*

1۔ دن رین جلتی جوں موم گلتی ---------------
آٹھ پہر رہے تیری اداس

2۔ تیری تپش سوں جوش جگت ہے لا کی تیغ سوں سیس کٹت ہے
تم ری پی پیاس

3۔ غلام شاہ، من تار باجت ہے انحد گنگنا گہرا گاجت ہے
یار ملن کی آس

—

"ریختہ روپ بلاول"

مردھنگ مرلی مورے من بجے بجے
باجت تار ستار

1۔ رمز ربانی روح باجت ہے ناد انحد گجے گجے
قلب رہیو کلتار

2۔ غلام شاہ کوں شاہ قلندر دان دیو سائیں سچے سچے
پریم رس کو خمار

—

* گھنے۔ری = زیادہ

"روپ سارنگ ریختہ"

واری رس رچ رہیو، روح ہمارو
محبت مجھ کوں محوَ کیو من ہمارے بچ رہیو *
انحد باجے بجت گھنیری گگن ہمن پر گج رہیو
غلام شاہ نوں قلندر ملیو نام صاحب کو سچ رہیو

"کافی روپ دے۔ گندھار ریختہ"

ساچی کیجیے پریت صاحب سوں، ساچی کیجیے پریت
غلام شاہ تم جوش جگاوو، عشق کی راکھو ریت

"ریختہ روپ بروہ وروپ سارنگ"

اے تن ہویا گرم گداز، تیری تپش سوں موم گلت ہے
1۔ عشق صاحب کا شاہیں ہویا، تیز کرے پرواز
2۔ بحر وحدت کی موج جگائی، کیا نشیب و فراز
3۔ غلام شاہ کا حال حقیقی، من اندر ممتاز

"کافی روپ کھنبات"

چلنا ہے، نہیں رہنا، خاک مٹی سوں رلنا
1۔ تار برہ دی تن و جاوو، سیس کاٹ پگ دھرنا **
2۔ غلام شاہ کا ہوکے رہیے، صاحب نام سمرنا

"روپ سارنگ ریختہ"

گگنے کی گھنگھور، انے انے گگنے کی گھنگھور
آپ درونے پی پد پایا
1۔ سر منڈل سر ساز جو باجے، باجے تار طنبور

---

* بچ = بڑی تیز آگ　　* برہ دی = برہ کی

2۔ چوٹ لگی چو تال جو باجے، باجے مر دھنگ اور
3۔ انبر آب حیاتی پیا، من ہویا مخمور
4۔ غلام شاہ نے قلندر پایا، پایا پاک حضور

"روپ سارنگ ریختہ"

من کی مرلی اور باجے، تار طلب طنبور باجے
1۔ دشم دُوارے دُھن سُن لاگے، انحد گگنا گاجے
2۔ غلام شاہ کو دھیان ذکر سوں، دیا قلندر سانچے

"ریختہ بروہ"

عشقے ذات دیوانہ ہے۔ برہے ذات مستانہ ہے *
حُسن بَن آوے، اگن لگاوے
1۔ لوگ ہمن سوں مت ملیئے، ہم خفتی خفقانہ ہے
کرتا یاد یگانہ ہے
2۔ شاہ قلندر شاہ یہیں کا، فضل الہ فرزانہ ہے
ہم حلقہ بگوش شہانہ ہے
3۔ ساقی صاف پیالہ دیا، من مورے میخانہ ہے
خاص خمر خمخانہ ہے
4۔ غلام شاہ سر انحد باجے، کھلیا راز ربانہ ہے
دل اندر دُر دانہ ہے

—

دل مورے موں، دوست کا ڈیرا۔ سائیں کا ڈیرا
1۔ کے بیچ ہے کعبہ جو قبلہ، بیچ بہے گنگا بیچ بہے دجلہ
من ماہیں تیرتھ میرا

* عشقے ذات = از قبیلہ عشق

2۔ غلام شاہ کو قلندر دیا، پیالہ پریم کا پُر کر پیا
باجے انحد گھیرا

"ریختہ روپ پرجھ"

پی کی پیاس بھئے، نیناں نیند نہ آوے

1۔ پی بچھڑت ہم چین نہ کوئی، تیناں سوں جل جاوے

2۔ لوک سوتا ہم جوش جگاوت، سیس کاٹ پگ پاوے

3۔ انحد کی گھنگھور بجت ہے، دم دم گوش رلاوے

4۔ غلام شاہ کے تم آنگن آوو، لوں لوں سہج سماوے (1)

"ریختہ روپ بہاگرہ"

بھلا لیجیے دوجا نام۔ نام نورانی سمرن مدام

1۔ نام صاحب سوں سبھ دکھ اُترے دیتا دل آرام

2۔ کیجیے یاد وھاگ کے ویلے، صبح دم دم شام (2)

3۔ تیئں جگا کے نیند کو آوو، راکھو طلب تمام

4۔ عشق آواز سنو من مورے، پیوو جگری جام

5۔ عمر بھئی سبھ ہاتھ نہ آوے، جگت نہ آوے کام

6۔ غلام شاہ رہو سرن صاحب کے، دونے جگ بسرام

"کافی روپ رامکلی ریختہ ہندی"

اے دل موری، تجھ کے دیکھن بن ہوئے دیوانی

1۔ باب طلب سوں دن رین گذرتے، 'ہوء' لگی ہوری توری

2۔ سر منڈل سبھ انحد باجے، سن جر (کی) گھنگھوری

3۔ لوک سوتا، سبھ عالم سوتا، ہم جاگت چوری چوری

---

(1) رگ رگ میں سرور سمائے

(2) وھاگ کے ویلے = اُس وقت جب شب ڈھلتی ہے، پربھات سے پیشتر

4۔ من موہن تم آنگن آوو، دور کرو تم دوری
5۔ غلام شاہ کے صاحب سمریو، نام نرنجن نوری

"کافی روپ رامکلی ریختہ"

شاہ قلندر پیر، پیر قلندر، موری لاج راکھو
1۔ تم ہیں جہاز سمونڈ کو ساجو، تم ہیں ہمارو سانگو [1]
2۔ غلام شاہ کو سرن تماری، تار کرو تم تانگھو [2]

جو بھن جہاں فانی مکان، جگت نہ آوے کسی کام
1۔ چل گئے سکندر، چل گئے دارا، چل گئے خان جوان
2۔ نیناں نیند گنوا کے جاگو، جاگو موری جان
3۔ سر منڈل تن تار بجاوو، ذکر کرو یزدان
4۔ دوس کے ڈوارے ڈھن لگاوو، تروچ کھلی ریحان
5۔ غلام شاہ سر پاویں دھرلے، تھیو قدم قدم قربان

"ریختہ رامکلی"

صاحب سمرو تا سہج سماوو، حرص بھلاوو دن رات
1۔ علم کتاباں کام نہ آون، پڑھ کا برہ کی بات
2۔ فاذ کرولی اذ کر کم، تند بجا کر تات
3۔ غلام شاہ رکھ شوق مدامی، پورا رہ پربھات

"ریختہ روپ رامکلی"

میرے دل رہیو صاحب تیرو نام
1۔ مطرب ساقی سہج خماری، رہیو محو مدام
2۔ غلام شاہ نوں شاہ قلندر دیو بھر بھر جام

---

(1) سانگو = آسرا (2) تار = عمیق۔ گہرا۔ تانگھو = اتھلا پانی

"ریختہ کافی روپ بھیرو"

من مورے موں محبت لاگی، ساز سبحانی باجت تار

1۔ راز ربانی روح باجت ہے، انحد جوت کا پار

2۔ 'ہُو' 'ہُو' کرتا گوش آوازاں، سر منڈل اسرار

3۔ غلام شاہ کا بیخود ہویا، قلب رہیو کلتار

"ریختہ روپ بھیرو"

جاگ جاگ نیناں نیند نہ کیجیے، من مایا مستانا

1۔ عرش الٰہی قلب تمارا، ہویا تخت ربانا

2۔ تار طلب کی تن موں لاوؤ، انحد کر استانا

3۔ نیچے پیچے نرت جو راکھو، سُرت کرو اسمانا

4۔ غلام شاہ کا عشق عجائب، راکھو دل دھیانا

"ریختہ روپ کوہیاری"

ویس فقیری ناہیں کوئی، خیال فقیری کیجیے یار

1۔ سر منڈل تن تار بجاوو، انحد راگ سوں ریجھے یار

2۔ غلام شاہ کا ہو کے رہیے، صاحب نام جپیجے یار

"کافی ریختہ روپ دے گندھار"

مورے من کا آدھار، پاک پروردگار، توہیں ستار

1۔ آپ رب عرب ہے آیا۔ نور نبی کا بیت بنایا

بیچوں اپن اپار، رب غفار

2۔ ذکر صاحب کا روح کی راحت۔ نام نورانی عجب نعمت

کاٹے کفر اندھار، درد آزار

3۔ تن من لاگی تار طلب کی۔ قلندر کھولی کل قلب کی

لگ رہی پریم پکار، دیوت کپار

4۔ غلام شاہ کو سرن تماری۔ روز شباں موں کرتا زاری
کرم کیجئے کلتار، سریجن ہار

—

رکھیئے یار یگانگی، ایک سوں ایک ہو رہیئے

1۔ حرف حقانی پریم کا پڑھیئے، دل درد دھیان جو دھریئے
کر لے دور دوگانگی

2۔ تار طلب سوں گوش رلیجئے، گگن منڈل کا ساز سنیجیئے
بھنیئے* بھول بیگانگی

3۔ غلام شاہ نوں شاہ قلندر، راہ بتائی مہر نظر کر
رکھیئے من مستانگی

"ریختہ چوتال روپ سارنگ"

چوٹی کے اوپر چنگ بجت ہے۔ چوٹ اُپنگ سُچنگ بجت ہے

1۔ انحد عرفان بیحد باجے محبت دیتے صاحب سانچے
ساز فرنگ سارنگ بجت ہے

2۔ گنگا گرجت برہ لگاوت بوند بہار کو بدر بساوت
من مرلی مر دھنگ بجت ہے

3۔ غلام شاہ کوں ملیو قلندر پریم پیالو پیو جو پُر کر
ہردے موں 'ہُو' ہونگ بجت ہے

"کافی روپ کھنبات ریختہ"

چل جاتی تیری عمر حیاتی، سمجھ سمجھ کُجھ کر لے

1۔ دن بھی گذرا، رین بھی گذری، دکھ بھی گذرا چین بھی گذری

---

* بھنیئے = توڑ لے

گذر گئی پربھاتی

2۔ غلام شاہ تن تار بجاوو۔ بیخود ہو کے حق نوں پاوو *

صفت ساوو ذاتی

"ریختہ روپ بروہ"

موری جان موں کوئی جان ہے، جانان جملہ جہان ہے

1۔ موری سیس موں کوئی سیس ہے، اس سیس سر سامان ہے

2۔ موری روح موں کوئی روح ہے، اس روح موں رحمان ہے

3۔ موری بات موں کوئی بات ہے، اس بات بے پایان ہے

4۔ موری درد موں کوئی درد ہے، اس درد موں درمان ہے

5۔ کوئی غلام شاہ کو شوق ہے، اس شوق موں سبحان ہے

■

* حق نوں = حق کو

خلیفہ نبی بخش لغاری 'قاسم'

(1190-1280ھ)

نبی بخش بن بالاچ خان لغاری کی ولادت اپنے آبائی گاؤں مِٹھی (موجودہ تحصیل ٹنڈہ باگو، ضلع حیدرآباد) میں سنہ 1190ھ /1776ء میں ہوئی۔ زمانے کے رواج کے مطابق اُنہوں نے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ پچیس سال کی عمر (سنہ 1215ھ) میں مرض عشق میں مبتلا ہو گئے۔ اپنی محبوبہ سے شادی کرلی، لیکن وہ تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا سے کوچ کر گئی اور نبی بخش کی دنیا تاریک ہو گئی۔

اس دور میں برگزیدہ اور باشرع عالم، اہل دل ولی اور سندھ میں قادری سلسلے کے علمبردار حضرت پیر صاحب محمد راشد عرف "روضے دھنی" (جد امجد سجادہ نشینان پیر صاحب پاگارہ) کا فیض عام تھا۔ چالیس سال کی عمر (سنہ 1230ھ) میں نبی بخش اپنے دوست اور خالہ زاد بھائی قاسم کے ساتھ اُن کی حضور میں پہنچے۔ حضرت پیر صاحب سے نبی بخش کو روحانی فیض اور اطمینان حاصل ہوا۔ خرقہ خلافت ملا اور وہ تزکیہ نفس کے لئے عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ بعد میں اُنہوں نے سندھ، کاٹھیاواڑ اور گجرات میں سفر کر کے قادری سلسلہ کی تبلیغ کی۔ اس روحانی مشغلے نے عقید تمندوں کا ایک بڑا گروہ پیدا کر لیا۔

سنہ 1259ھ میں سندھ پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا اور سندھ کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے۔ اس کا اثر خلیفہ صاحب پر بھی پڑا، اور وہ ٹنڈہ باگو سے چھ میل دور مغرب کی طرف ایک گاؤں میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے اور اس گاؤں کا نام بھی اپنے آبائی گاؤں پر "خلیفن جی مِٹھی" رکھا جو آج بھی موجود ہے۔ خلیفہ صاحب نے وہیں سنہ 1280ھ / 1863ء میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

خلیفہ نبی بخش سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے خالہ زاد بھائی قاسم نے انہیں حضرت پیر صاحب کی طرف رجوع کیا تھا، ان کے اس احسان کے سبب انہوں نے 'قاسم' تخلص اختیار کیا۔ سنہ 1254ھ میں داستان 'سسئی پنہوں' کو مثنوی کی شکل میں منظوم کیا، جو سرائیکی زبان میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ سندھی میں حضرت شاہ عبداللطیف کی تقلید میں 'رسالو' منظوم کیا جس کو بعض خصوصیات کی بنا پر ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ سندھی اور سرائیکی کے علاوہ خلیفہ صاحب کا اردو کلام بھی مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے جو ان کے 'رسالو' کے قلمی نسخوں کے آخر میں مندرجہ ذیل عنوان سے درج ہے*۔

"ایں جز در زبان ہندوستان در سلوک و مناجات و غزلیات [و وائیہای] و ریختہ [وراگہای] وطپہ و راسوڑہ و سہر او بھجن و ہوری"۔

یہاں پر ہم خلیفہ صاحب کی اس "جز در زبان ہندستان" سے انتخاب دے رہے ہیں۔

'نکتہ ہای در سلوک و توحید'

ایا شاہ بیرنگ در باغ رنگ　　لگی رنگ کی رنگ میں خوب جنگ
لگا عشق کا تب سے ڈنکا تمام　　کیا ترک جنت کوں آدم امام
نہ کہتے ہیں آدم کا مادر پدر　　کدھر کا چلا ہے پھر آیا کدھر
تو 'لیس' میں دیکھ 'کن فیکون'　　کہ پیدا ہوا پل میں گونا و گون
میں ماں باپ سیں بھی تو آگے ہوا　　نہ دیکھا اُسی دیس جیتا موا
کہاں سوں میں آیا کہاں جاؤں گا　　کسی بات سوں ڈر کے پچھتاؤں گا
نہ مشرک، نہ مومن، نہ ایمان پر　　نہ قاتل یزیدی، حسینی نہ حُر
نہ باھمن، نہ جوشی، نہ زنار پوش　　نہ ملاّ، نہ قاضی، نہ نرگی مئی نوش
نہ ذاکر، نہ شاکر، نہ غافل غرور　　نہ جن و پریزاد، ملکی نہ حور

* خلیفہ صاحب کے 'رسالو' کو بندہ راقم نے ایڈٹ کیا ہے اور سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شایع (1966ء) ہو چکا ہے۔ اردو کلام بھی اس ایڈیشن میں (ص ص 242-264) شامل ہے۔

نہ میں رافضی ہوں، نہ سنی صحی
پڑھتا ہوں پوتھی نہ صرف ونحی

ثوابوں سے اُلفت نہ طالب خطا
مری ذات مجھ کوں کو دیوے بنا

نہ خالق خدا، نہ خدا سے جدا
یہودی، نصاریٰ نہ قوم لدا

نہ میں جانتا ہوں کہ کون ہوں
نہ لوہا، نہ پیتل، نہ میں سوں ہوں

نہ ہاشم نہ قاسم محمد ملوک
نہ جھگڑا کسی سے نہ کرتا سلوک

اسی دیس میں چل کے آیا جبھی
مذاہب طریقے میں دیکھے تبھی

کیا موج رنگین آبِ حباب
حباب ہی ملیا آب سیں آب آب

دکھاتیاں ہیں موجاں طرح طور طور
سبھوں میں ہے پانی نہیں اور اور

وہ بھیدی پہچانے اسی بھید کوں
پہچانے گا جو شاہ ناپید کوں

بحر میں پڑی بوند ہوگئی بحر
بحر ہے بحر ہے بحر ہے بحر

بحر سے نکالے بھلا کون بوند
بحر سیں ملی بوند ہو گئی سموند

بحر سیں یہی بوند موتی امول
وہی پھول پھل ہے وہی جھاڑ پھول

نظر بیچ آئے عجب ایک کھیل
یہ ہے کھیت بویا نہ ساتھی نہ بیل

کہ آگے بھی تھا ان پیچھے بھی ان
ملیا خاک سیں ایک ساتھی کاتن

رہیا پہنچ اپنی اصل سے اصل
نہ آیا ہماری نظر میں نقل

غزلیات

مجھ تشنگی کی آگ بجھانے کوں نہ آیا
پھر جام وصل جانی پلانے کوں نہ آیا

تجھ عشق کی آتش میں سدا جلتا رہا میں
ٹک نین بھی نینوں سے ملانے کوں نہ آیا

ہم عاجز و مسکین کوں کب ہاتھ سے اپنے
یکبار سجن پان کھلانے کوں نہ آیا

صد سوال کئے قاسم ہنس بول توں ہم سے
ٹک بھیکھ گدائی کا دلانے کوں نہ آیا

—

گلشن کی خبر خوب صبا باد پوچھو
تصویر قدِ سرو کی شمشاد سے پوچھو
بیدرد کو معشوق سے کیا کام ہے یارو
شیریں کی حقیقت بھلا فرہاد سے پوچھو
آتے ہو نہ جاتے ہو ستاتے ہو بھلا کیوں
تقصیر مری کیا ہے، پریزاد سے پوچھو
نکلا ہے ستمگر وہ لے کر تیغ ادا کی
مجھ خوں کی خبر خنجرِ فولاد سے پوچھو
غم درد کی تصویر قاسم کن کوں بتاؤں
آواز مری آہ کا تم ناد سے پوچھو

"وائی سر بلاول"

بولنے والا وہ یار، میں کیا جانا کون ہے
1۔ مجنوں بن کے واں سے آیا، لیلیٰ سیتی نیہ لگایا
روز روتا زارو زار
2۔ حسن کی چڑھ فوج آئی، نَیَن سے کرتی لڑائی
لوٹ لیتا شہسوار
3۔ سمجھ قاسم ہو سبحان، بھید جانی کوں پہچان
میں کہوں تجھ بار بار

"ریختہ تلنگ"

جا ہونی سا ہو رہی، سن بات یہی میں سو رہی
انہونے کے ہونے خاطر کتنے عالم رو رہی
جو ہونا ہے سو ہو رہا، جو کھونا سو کھو رہی

ایک بھول تب پہچانی، آنکھ دیکھ جب دو رہی
لاکھ سوار دوڑاتے گھوڑے، واں کے واں ساگو رہی
قاسم بن ُتھن عشق بقالن باغ بقا کا بو رہی

"ریختہ پاوڑی"

رہتی شب و روز پریزاد میرے دام سیں دور
لاؤں میں کس طرح اپنے پیا آغوش میں حور
کوئی بتلاوے مجھے تو نہ جاؤں میں کامرو دیس
کروں فرمان میں اپنے بلا حور ضرور

"ریختہ"

سکھی ری میں کیسے سنگ بھیجوں گی سندیسوا
پریم رہے تم اب تو بدیسوا
آوَن کہہ گئے ابھوں نہ آئے، ڈھونڈ رہی میں پورب دیسوا
آٹھ چل قاسم پیا کوں لاؤں کر کے جوگن بیسوا

"ریختہ"

پیٹھ نہ دے جا، ہو جانے والے لا لا
ذرا تو کھڑے رہو، ہو جانے والے لالا
سامنے کھڑے رہو بین بجانے والے، میں سنتی ہوں ہو گانے والے
چھپ چھپ کے کھاتے ہو پانوں کی بیڑیاں
'قاسم' کوں دے جاؤ، کھانے والے لالا

"ریختہ"

بچھڑن کی کہو بات، پیا بات بری ہے
ہجرت کے مرے تن میں تیری تیز چھری ہے

ایک لٹک سیں لوٹ گیا شوق سیں اسرار
اُس ناز پُر کے نیچے، بس تیز تری ہے
پری رو کا ملن جگ میں مشکل ہنوز ہے
رو بارہ میں پایا نہیں سب خشک تری ہے
قاسم لٹک کے چمن میں کرے سیر سریجن
شرمندہ اوس کے آگے سو آج پری ہے

"ملاری کانڑا"

دیکھو لا چکتر بین لالچ میری بلاج سہت ہے
1۔ مانگ کی دھنکبان دامنی کرت تان
آؤ ری سکھیوا، گگن میں گھمت ہے
2۔ جھنجلا کی چوری چال، ہونٹ لال سے بھی لال
ادھرا کے بھنم لال، لال ایسی ہست ہے

"ملاری کانڑا"

میں تو پائی پیا دُھن دُھن نیو نیہ
میٹھے بچن تم کو کہنے آئی
چلو تو پہچاؤں تم کو، او نہ آوت، نیو نیہ

"ملاری کانڑا"

کر پکری موری، جڑا جوری، ماکر سینی
کر پکری موری، چڑیا فوری، انگیا کی لر توری، ماکر سینی

"جنجوتی"

میرا کب جاء سے لبھانا ہے، کانو کب جاء سے لبھانا ہے
سکھی آج نہ آیا میں جانا ہے، میں سنیا یار لبھانا ہے
سوکن کے داؤ سے، مستانہ دیوانہ ہے

"دادرہ"

بَلمّا بنُیاں موڑنا، اچھنکھیاں باتاں کرلو
موسیٰ جگت- پیروا، بر زوری کر کے نند کو نوروا
کر کے چوڑیاں پھوڑنا

"دادرہ"

سونے دیاں چوڑیاں، مارو جی گھڑادے
مینا دیاں چوڑیاں، موتیڑا جڑا دے
سن میاں قاسم اپنے پیا سنگ
آنکھ سے انکھڑی لڑا دے

"ٹھپہ"

[1]

چلتی ٹھمک ٹھم، چلتی ٹھمک ٹھم
گوری گیند گات
ادھرنا کی بھنبھال، کنچنا بکھن لال
چین میں گجر پھرے پیا سنگ دم دم
مرگھوں سے نیکھے نین، کوئیلا سے میٹھے بین
باجت پائل جھم جھم
اٹھ دیکھ قاسم، دھوم مچی دھم دھم
ناچت گوری طبلوا کے بم بم

[2]

رمتے رمتے جوگی جمنا جایئے، کاہے کوں کرت تم بسرام
من کی لے مالا، تن کی تپت بجھانے کوں جپ رام رام کا نام

"راسوڑہ"

ارے اڑکا گا کبھی آویں گے

خبر لے آ میرے جانی کی

1۔ آون کہہ گیو نہیں آیو رے، میرے لالن کنے برمایو رے
میرے یہ دکھ کٹ جاویں گے

2۔ کاگوا کہے میں اُڑ جاؤں، تیرے پاس پیا کو لے آؤں
تجھے ہنس ہنس گر ہو لگاویں گے

3۔ تیرو لالن آیو ری گوری، تم کھیلو پیا سنگ اب ہوری
تیرے تن کی آگ بجھاویں گے

4۔ قاسم جن کی ہوں میں داسی، میرے من کے اندر یہ آسی
مجھے کلے سے پاس بلاویں گے

"سہرا"

[1]

اللہ کے نام پر میں بل جاؤں
کبریٰ کے گھر احمد آیا، سید کے سہرے گاؤں
پنجتن پاک، دوازدہ امام، محمد کا درسن پاؤں

[2]

آج دُھن دُھن رے آج دھن دھن
میرے ہی مندروا آویں گے نوشا نما

1۔ شبھ دن شبھ گھڑی، پر گھٹیو محمد
چین سیں بھری سب دھرتی گھن گھن

2۔ عبداللہ کے گھر آنند بدھائی
ناچت پری حور پایل کی جھن جھن

3۔ گُند لے ری مالن، پھولوں کا سہرا
نیہ کی مچی دھوم، قاسم بن بن

"بھجن"

[1]

مت بسارو رے ہو، من من ہری کی بات
بھائی بہن کٹم قبیلا، کوئی نہ چلے گا ساتھ
رام نام کی سمرن جپنے یہ ہی چلے گا سنگات
گنگا جمنا کاہے کوں جانا، گھٹ میں بسنے تیرے ناتھ
صاحب کی بندگی کرلے قاسم، آنسوں بھری دن رات

[2]

رام کے سادھو رام جپو رے، اور سوں کیا تیرا کام
سب جگ چلنا تم بھی چلو گے، کون کرت بسرام
گنگا قاسم کاہے کوں جانا، رام بسے بس تیرے گام

"ہوری"

پھاگن کے دن چار سکھی ری
میں اپنا لال منگا نہ دوں گی
1۔ سونا بھی دوں گی، واری روپا بھی دوں گی
کنٹھ نہ دوں گی ادھار سکھی ری
2۔ ہیرا بھی دوں گی، واری موتی بھی دوں گی
دوں گی پھولوں کا ہار سکھی ری

میر شہداد خان 'حیدری'

(وفات 1284ھ)

'سرکار بلند اقتدار' میر شہداد خان بن میر نور محمد خان حیدرآباد میں پیدا ہوئے، اور وہیں ان کی تربیت ہوئی۔ اپنے والد میر نور محمد خان کی وفات کے بعد حکومت میں شریک ہوئے اور 'سرکار بلند اقتدار' کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ اپنے بزرگوں کی طرح انہیں بھی کتابیں جمع کرنے کا بیحد شوق تھا۔ انہوں نے متعدد کتابیں نقل کروائیں اور خریدیں۔

میر شہداد خان صاحب ذوق سلیم تھے۔ فارسی، سندھی اور اردو میں شعر کہا۔ 'حیدری' تخلص کرتے تھے۔ "دیوان حیدری" تقریباً چار سو اٹھہتر غزلیات اور دوسری نظموں پر مشتمل ہے۔

پہلے میر شہداد خان دوسرے امیروں سے جدا سورت کے قید خانے میں محبوس رہے۔ پھر وہاں سے کلکتہ منتقل کر دئے گئے۔ وہیں 8 محرم الحرام سنہ 1284ھ / 28 اگست 1857ء کو قید کی حالت میں انتقال ہوا۔ مرزا حسن علی عرف آقا بزرگ المتخلص بہ 'وفا' نے تاریخ وفات پر یہ قطعہ لکھا:

از 'وفا' تاریخ سال رحلتش جستم بگفت
نام او تاریخ بس "نواب میر شہداد خان"
(1284ھ)

ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو:

گوندھ تو زلف پریشاں کو پریشاں مت ہو
دیکھ کر مجھ کو پراگندہ تو حیراں مت ہو

بوئ مشکِ ختنِ عشق کا عادی دل ہے
اے شہ حسن پسِ پردہ تو پنہاں مت ہو
'حیدری' ہوگا تو آزاد نہ گھبرا ہرگز
نا اُمید از کرمِ شاہ شہیداں مت ہو

قادر بخش 'بیدل'

(1230/ 1814-1289ھ/1872ء)

قادر بخش وادی مہران کے اولیاء اور علماء کے مسکن روہڑی میں سنہ 1230ھ / 1814ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد حسن کپڑا بنتے تھے اس وجہ سے ان کو "پاٹولی" کہا جاتا تھا۔ محمد حسن جھوک شریف کے بزرگ شاہ عنایت اللہ صوفی شہید کے مرید اور قادری طریقے کے پیرو تھے۔

اپنے لئے قادر بخش اور عبدالقادر دونوں نام اور 'بیدل' تخلص استعمال کرتے تھے۔ عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے سیوہن شہر مین حضرت قلندر شہباز کے مقبرے پر گئے۔ وہاں سے 'پیر جو گوٹھ' (ضلع خیرپور) آئے، جہاں پیر صاحب پاگارہ حضرت صبغت اللہ شاہ نے اپنے صاحبزادے پیر علی گوہر شاہ کے لئے ان کو اتالیق مقرر کیا۔ بیدل پیر صاحب کو مولانا رومی کی مثنوی کا درس دیتے تھے۔ اس کے بعد 'پریاں لوء' (ضلع خیرپور) گئے، جہاں پر مخدوم محمد اسمٰعیل کی درگاہ پر کچھ وقت قیام کیا۔ پھر واپس روہڑی آئے جہاں کچھ کپڑے اور دوسری چیزوں کی ایک دوکان کھول کر بیٹھ گئے۔ وہیں سنہ 1289ھ /1872ء میں وفات پائی۔ ان کا مزار روہڑی اسٹیشن کے قریب مرجع عوام ہے۔

بیدل ایک بلند پایہ عالم، صوفی، شاعر اور مصنف تھے۔ ان کی تصانیف میں رموز العارفین (فارسی نظم)، تقویت القلوب (نثر)، پنج گنج، ریاض القمر، سلوک الطالبین، رموز قادری، منہاج الحقیقت، نہر البحر، الفوائد المعنوی، مصباح الطریقت، قرۃ العینین فی مناقب السبطین، فی بطن الاحادیث، لغات میزان الطب، وحدت نامہ اور سرور نامہ قابل ذکر ہیں۔

فقیر قادر بخش 'بیدل' نے اپنے اشعار میں حضرت قلندر شہباز اور حافظ عبدالوہاب عرف سچے۔ ڈنہ (سچل) سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ قلندر شہباز کی مدح میں کہتے ہیں:

ولامت ڈر ز ہولِ روز محشر — پکڑ لے دامنِ ابنِ پیمبر
شہ شاہان عرفان دین پرور — قطب ارشاد عشاقاں کا رہبر *
مرا مرشد مکمل ہے قلندر — حسینی حیدری سلطان سرور

بیدل نے عربی، فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو میں شاعری کی، وہ ایک صاف دل صوفی تھے۔ ان کا کلام عارفانہ نکات کا حامل ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے۔ ان کی چند غزلیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

دلِ وحدت طلب فارغ ز قیدِ جسم و جاں ہوگا
کہ بیٹھک عاشقاں دائم بہ ملکِ لا مکاں ہوگا
اُٹھا اس فرش خاکی سے قدم، چڑھ جا فلک اوپر
کہ سات آکاش ہمت کے اگے اک نردباں ہوگا
طلب مطلوب طالب کو احد کر جان وحدت میں
کہ بحر ذات بیرنگی محیطِ بیکراں ہوگا
وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن
خودی کے ترک میں مخفی جو ہے وہ سب عیاں ہوگا
دوئی کے وہم سے 'بیدل' ترا دل گر ہوا فارغ
ظہور اس ذات مطلق کا جہاں چاہیں وہاں ہوگا

جب سوں زاہد نے سنی اس رخِ پُر نور کی بات
بھل گئی اس سے کرے شوق سوں تب حور کی بات
محفل بخت میں ممتاز ہیں ارباب علوم
محکمہء عشق میں منظور ہے منصور کی بات *

---

* 'قطب' اور 'محکمہ' سندھی لب ولہجہ میں استعمال ہوئے ہیں۔

مجلس وجد میں کیا کام ہے خودبینوں کا
بزم رنداں میں نہیں زاہد مستور کی بات
عقل اپنی سے ہو کیا سرِ ہویت کی سمجھ
جو اسے کب نہ سنیں گے ایسے دستور کی بات
"وَہو مَعَکم" مجھے دیتا ہے تسلی 'بیدل'
'نحن اقرب' سے فراموش ہوئی دور کی بات

—

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا
سراسر نور بیرنگی ظہور ذات میں دیکھا
نفی جب تک نہ ہو ہرگز نہ پاوے ذوق اثباتی
اسی شطرنج کا ہم جیتنا اب مات میں دیکھا
کوئی جو ہو رہا عاشق الکھ بیچوں منزہ پر
اروپ اور روپ کا اس نے لقا لمعات میں دیکھا
نہ ہو اے بوالہوس راغب پیالی کا بہ پنداری
کہ جام و تیغ ہم واللہ سجن کے ہاتھ میں دیکھا
کسی منصور سے پوچھا سبب انشاء معنیٰ کا
کہا میں مطلب والا ابھی اسمات میں دیکھا
یہ بیدل سن 'وفی انفسکم' اس معشوق ہمدم سے
کہ ہم مصباح احدیت اسے مشکات میں دیکھا

—

دو جگ کا بادشاہ ہے مست شراب عشق
عالی ہے ہرجناب سے لاشک جناب عشق
شپر صفت نہ رہ توں ہوس کے حجاب میں
باہر نکل کے دیکھ رخِ آفتاب عشق
دوزخ کی آگ کب بجلادی اسی کے تئیں

یہ جسم سوختہ کا ہوا کل کباب عشق
زہاد پر نہیں سر وحدت کا منکشف
گر فتح باب چاہیں تو مت چھوڑ باب عشق
طنبور چرخ کا نہ بنایا حکیم قدر
جب سوں ہے بزم راز میں غلغل رباب عشق
تابع ہیں عاشقاں کے چہ ابرو چہ آفتاب
دوزخ بہشت جانتا ہے آب و تاب عشق
جوئی کہ پوچھتا ہے عشق کون چیز ہے
کہہ بیدل اس کے تئیں کہ ابھی سن جواب عشق

—

حیران ہوں کہ قد کو تمہارے میں کیا کہوں
طوبیٰ کہوں کہ سرو کہ نخلِ وفا کہوں
تیرے حُسَن کی دیکھ تجلی اے رشکِ حور*
سورج کہوں کہ چاند کہ نورِ خدا کہوں
ابرو تمہارے کو جو ہے شکل ہلالِ عید
محراب سجدہ طاعتِ اہل صفا کہوں
ترے نَین پُر خمار کو سرمست بادہ ناز
یا بے خودی کا جام یا سحر بلا کہوں
مژگان ترے کو جو کہ ہیں چنگل عقاب کے
ناوک کہوں کہ نوکِ سنانِ جفا کہوں
خالِ سیہ ترے کو، جو ہے عکس داغِ دل
اسود حجر کہ دانہء مرغ ہوا کہوں
لب لعل تیرے سے دُرِ دنداں چمکتے ہیں
میں اس شفق کے رنگ کو پروین نما کہوں

* 'حسن' کا استعمال سندھی لب ولہجہ کے مطابق ہے۔

تیری گلی کی خاک کو 'بیدل' کے واسطے
یا غالیہ عبیر کہوں، توتیا کہوں

"کافی"

وہ بیرنگی رنگ آپ آدم بن آیا
روپ کا اوڑھ نقاب، احد و عبد سڈایا

1۔ وہ اروپ سروپ مو آیا عشق و حسن کا کھیل کھلایا
دونوں وہ القاب، ساجن سر دھرایا

2۔ کہاں وہ پہنے پوش عرب کا ہووے ساقی جام طرب کا
کہاں وہ دست رباب، گیت اناالحق گایا

3۔ کہاں فقیہ مشائخ قاضی ملاّء مومن نیک نمازی
کہاں وہ دوست خراب، بسمی رنگ لگایا

4۔ خلق الاشیا سمجھ اشارت فہو عینہا محض بشارت
'بیدل' شوق شتاب، سر صحیح سمجھایا

"کافی روپ ہوری"

آج پیا ہوری کھیلن آیا
سہیں رنگی بے رنگ سمایا
سہیں روپ اروپ سماوت وحدت کثرت رمز رلاوت
نوع بہ نوع جانی جلوہ پایا
بندرابن میں کھیلے ہوری شام سندر دل لٹ لی روری
چشم اُہندے سانوں چینک لایا *

---

* یعنی چشم اُس کے ہمیں جادو لایا۔ باقی مصرعے سرائیکی زبان میں ہیں۔

صوفی ابراہیم شاہ 'فقیر'

(1242 - 1291ھ)

صوفی ابراہیم شاہ 'فقیر' قریہ جھوک عرف میران پور (موجودہ تحصیل میرپور بٹھورہ، ضلع ٹھٹہ) میں 27 جمادی الاول 1242ھ (1826ء) کو پیدا ہوئے۔ وہ جھوک کے مشہور صوفی بزرگ شاہ عنایت اللہ شہید (1130ھ) کی اولاد میں سے تھے، اور درگاہ جھوک کے سجادہ نشین ہوئے۔ 8 ذی الحجہ سنہ 1291ھ (1875ء) کو جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

'کافی' گو شاعروں میں ابراہیم شاہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ تخلص 'قنبر' اور 'صوفی' کرتے تھے۔ اردو میں بھی کافیاں کہیں۔ ان کا اکثر کلام ضایع ہو چکا ہے۔ مدت ہوئی کہ ایک بیاض میں ان کی ایک 'کافی' نظر سے گذری تھی جس کا مطلع یہ تھا:

دیکھو یار کا دیدار جو جنسار بنا ہے
دستور کنوں نور جو اسرار بنا ہے [1]

ان کی دو کافیاں ملاحظہ ہوں:

کافی-1

جدائی میں جیَن مشکل، سجن بن حال حیراں ہے [2]
1۔ جسی دن موں سجن بچھڑا، مری دل تب رہی جل جل
وداع کی آگ بجلی جیوں، ابر چشماں چوں باراں ہے [3]
2۔ لگا ہے عشق موں دل سوں، نہیں سونا صحی اک پل
غذا ہے طعام خوں خوردن، بساطی سیج خاراں ہے

(1) دستور کنوں = بدستور (2) جیَن = جینا- بن = بغیر (3) چوں = میں سے

3۔ بڑھے ترے عشق کے امراض، جن کا ہوا نہیں درمل
شفائے درد سودایاں بدستِ غم گساراں ہے
4۔ چڑھیاں ترے چشم کیاں فوجان، آیاں سرپر 'فقیراں' چل
کیا بند قید زلفاں سوں، اہو نس دن پکاراں ہے [1]

کافی-2

حسن کی فوج لوٹے ہوں کہاں جاواں میں فریادی
ہجر کی تیغ کوٹھے ہوں، دیکھو سجناں کی بیداری [2]

1۔ گدا ہوں وہ پیا در کے، خزاں ساماں سکندر کے
بجز دیدار دلبر کے، عمر جاندی ہے افرادی [3]

2۔ پیالہ مئے الستی کا، دیا پُر یار مستی کا
ہٹیا کل وہم ہستی کا، کیا از قید آزادی

3۔ صفا 'صوفی' جو رہتے ہوں، جگر کا خون کھاتے ہوں
سجن کے پاس جاتے ہوں، نہ کر مجھ سوں توں بیدادی

(1) اہو = وہ (2) کوٹھے ہوں = کاٹا ہے (3) جاندی ہے = جاتی ہے۔ افرادی = ضائع

فتح دین شاہ جہانیاں پوٹہ
(1205؟-1291ھ)

'اُچ' کے مشہور ولی مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے سندھ میں 'جہانیاں پوٹہ' خاندان مشہور ہوا۔ فتح الدین شاہ بن ویدھل شاہ اس خاندان کے حیدرآبادی قبیلہ کے جد امجد تھے۔ انہوں نے حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور موجودہ 'ٹنڈہ جہانیاں' کو آباد کیا۔ جھوک عرف میراں پور کے صوفی درویش فضل اللہ شاہ قلندر (وفات 27 جمادی الآخر 1243ھ) سے فیض حاصل کیا۔ 26 محرم الحرام سنہ 1291ھ کو وفات پائی۔

فتح الدین شاہ 'فتح' کا 34 غزلوں پر مشتمل ایک مختصر فارسی دیوان موجود ہے۔ جس میں تخلص 'فتح' خواہ پورا نام 'فتح الدین' لائے ہیں۔ ان کا یہ کلام تصوف کے عارفانہ نکات پر مشتمل ہے۔

درمیان تاب وحدت فتح الدین را یافتم
از نفی اثبات دیدم شعلہء اسرار را

—

چشیدم مغز معنی جز و کل را
بفتح الدین عیاں اسرار باشد

—

شدہ روشن دو عالم فتح دین را
بہ تیغ ہمت مشکل کشائی

—

اردو میں ان کی ایک 'کافی' ملتی ہے اور وہ یہ ہے۔

ہوئا مخمور معنیٰ میں، کہ ہادی حق بتایا ہے
ملامت کوں سلامت کر، آپس آپے چھپایا ہے

1۔ نہیں در کار عیسیٰ کی، مسیحا دم ہمارا ہے
اُلٹ پئی 'الف' کی جھاتی کہ جس میں کُل سمایا ہے *

2۔ محمد شرف رندانی، 'الست' اسرار آیا ہے
دونوں جگ میں برق بن کر ابر رحمت بسایا ہے

3۔ ہوائے بیخودی آئے، خودی کی دھُول اُڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھپایا ہے

4۔ جلالی جوش کے جذبے جسم کوں خود جلایا ہے
'فتح' ہے 'دین' کی ہر دم کفر کوں مر مٹایا ہے

■

* 'الف' (اللہ) کا پرتو الٹ پڑا۔

دیوان صورت سنگھ 'صورت- بہار'

(1293 -1268)

صورت سنگھ ولد ہمت سنگھ چندیرامانی سنہ 1268ھ /1852ء کے لگ بھگ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مکتب میں فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو اپنے بچپن کے ایک دوست دیوان بہار سنگھ کے اور اپنے نام کی رعایت سے "صورت بہار" تخلص اختیار کیا۔ فارسی میں ایک مثنوی لکھی جس پر والی خیرپور میر علی مراد خان تالپور نے انعام بھیجا اور خیرپور آنے کی دعوت دی۔

صورت سنگھ 'نانک پنتھی' اور صوفی منش تھے۔ اپنے کلام میں گرو نانک، شیخ طاہر عرف اُڈیرہ لال، حضرت مخدوم عثمان عرف شہباز قلندر، شاہ عنایت اللہ شہید صوفی، حضرت شاہ یقیق (ضلع ٹھٹہ) سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

ان کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ان بزرگوں کی درگاہوں پر زیارت کے لئے جاتے تھے۔ ان بزرگوں کے علاوہ بھائی کشنچند اور دوسرے ہندو سنتوں اور ساتھیوں کا ذکر بھی ان کے کلام میں بکثرت موجود ہے۔ موسیقی سے شغف تھا، خود گاتے تھے اور 'سر سارنگ' میں ملکہ حاصل تھا۔ 25 سال کی عمر میں سنہ 1877ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی سمادھی حیدرآباد میں موجودہ 'ڈومن واہ' محلہ کے ایک باغ میں تھی۔

'صورت بہار' نے فارسی، سندھی، سرائیکی اور اُردو میں اشعار کہے ہیں۔ سندھی کافیوں میں 'صورت' تخلص کرتے ہیں۔ اکثر اشعار ہندی اور اُردو میں کہے ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ پہلی بار سنہ 1886ء میں لاہور سے شائع ہوا اور دوسری مرتبہ "دیوان صورت بہار" کے عنوان سے سندھی رسم الخط میں سنہ 1935ء میں حیدرآباد میں چھپا۔ کلام سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فارسی اور اردو غزلیں بالترتیب ایک مکمل دیوان کی صورت

میں موجود تھیں۔ غالباً اس آخری اشاعت میں (جو کہ ہمارے سامنے ہے) کلام کی ترتیب خلط ملط ہو گئی ہے اور بعض ردیفوں پر غزلیں رہ گئی ہیں۔ فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

این چہ دَوری است کہ دانا ہمہ دیوانہ شدند
مست گشتند بہ دنیا ہمہ مستان شدند
از سبکِ مایہء خود چند گرانی دارند
گہرِ موم کہ در گوشہء در دانہ شدند
کذب را راست کنند راست کنند باطل را
حالیا جامِ سبو کش کہ چہ مستان شدند
چہ 'بہار' اند کزیں غمزۂ لیلیٰ دنیا
سر بسر 'صورت' مجنوں ہمہ دیوانہ شدند

'دیوان صورت بہار' میں ہندی اور ہندی آمیز زبان خواہ صاف اردو زبان میں نظموں کی ایک کافی تعداد موجود ہے۔ البتہ بعد میں لکھنے اور نقل کرنے والوں کی زبان سے ناآشنائی کی وجہ سے متن میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان کے اردو کلام سے انتخاب دیا جاتا ہے:

صورت جیسا بدکار گنہگار نہ دیکھا *
خاوند جیسا غفّار ستّار نہ دیکھا
موسیٰ جیسا دیکھا نہ کسی جلوۂ سینا
منصور اناالحق جیسا سردار نہ دیکھا
شیطان جیسا دُزد خبردار نہ ہوگا
درویش قلندر جیسا بیدار نہ دیکھا

—

کبھی کس یار لیئے یار نے در کو چھوڑا
دیکھو میرے لئے دلدار نے گھر کو چھوڑا
بے بہا دُر ہے بہادر مرا ہمراہ حبیب

* ہر جگہ "فعل" کے وزن پر استعمال کیا ہے

جس نے جنگ دیکھتے ہی جلد کمر کو چھوڑا
پھل کی خاطر ہی محبت کے شجر کو پالا
جب ثمردار شجر تھا تو ثمر کو چھوڑا

تجھ کو انجام ترا یاد نہیں یاد آہا
کیسے اقرار میاں کرتے ہو برباد آہا
عشق لیلیٰ نے میاں قیس کو مجنوں کہا
عشق شیریں نے رلایا کہیں فرہاد آہا
تیرے خوش خندہ نے بندہ کیا اللہ جانے
تیرے وعدوں نے کیا ہے مرا دل شاد آہا

بہار میری کا سرسبز ہے نہال نہال
کہ یار میرے کا خوش حسن ہے کمال کمال
دو چشم روشن دلبر کے ہیں مہ و خورشید
دو نام خوش مرے دلدار کا جمال جمال
ہر ایک گل پہ ہر اک بلبل آج ہے شیدا
ہر ایک یار سیں ہے یار کا وصال وصال
کہا میں تیرا ہوں تو میرا تو نے ہنس کے کہا
کہا تو میرا ہے میں تیرا ہوں محال محال

کیا دیوے گا 'شاہ دولہہ' نام لو مولا کا تم *
جس کو مولا دیوے گا اُس کو ہے کیا 'دولہہ' کا غم
اس فنا خانہ میں کرنا فخر کیا نادان دیکھ

---

* 'شاہ دولہہ' یا دولہہ شاہ' سندھ کے ہندوؤں کا ایک سنت جسے "دریا کے پیر" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

کاں وہ آئینہ سکندر کاں گیا وہ جامِ جم؟*
خوش رہو شاکر بَنی پر جو بنائی ہے سو خوب
شاد رہ آباد حق کا نام لے ہر دم بدم

—

آپ سے شرمندہ ہوں میں منہ سے کچھ کہتا نہیں
کیا کہوں بے شرم ہوں، بولوں میں کیا، بکتا نہیں
آپ ساچے ہو، میں جھوٹا ہوں، نہیں کچھ جھوٹ ہے
ساچ کہتا ہوں، صفا ہوں، دل میں کچھ رکھتا نہیں

—

ڈر سیں آتا نہیں میں یار ترے کوچہ میں
دل گنواتا ہوں میں دلدار ترے کوچہ میں
اپنی مستی میں ترے عشق کی خوشحالی میں
آکے گاتا ہوں میں غم خوار ترے کوچہ میں
اپنے مرشد کا، فقیروں کا، خدا کا، سب کا
دیکھ جاتا ہوں میں دیدار ترے کوچہ میں
تیری 'صورت' کو میں ہوں دیکھ کے سرسبز 'بہار'
دیکھ کے خوش ہوں میں گلزار ترے کوچہ میں

"مناجات بدرگاہ لعل شہباز قلندر"

دم مست قلندر، شہِ شہباز قلندر
ہم دست خداوند کا ہمراز قلندر
سلطان فقیروں کا حقیروں کا ہے صاحب
بخشندہ امیروں کا غریبوں کا ہے راہب
حاکم ہے امیروں کا یتیموں کا ہے واہب

* کاں = کہاں

مختار ملائک کا ہے مولیٰ کا ہے نائب
دم مست قلندر، شہِ شہباز قلندر

—

اس جدائی میں ترے شاید کہ مر جاؤں ہمیں
حال اپنے کی حقیقت کس سیں کر جاؤں ہمیں
آپ صاحب کام کے بے کام کی کیسی خبر
کام سیں تھا کام اب یارب کدھر جاؤں ہمیں
جس جدا ہم کو کیا تس سوں، خدا اس کا بھی خیر
زندگی دو دن ہے باقی کس سے لر جاؤں ہمیں

—

کچھ تو انصاف کرو، میری وفا ہے کہ نہیں
آپ منصف ہو بھلا، تیری جفا ہے کہ نہیں
اس فنائی کے مکاں میں تو جدا ہو نہ میاں
کیا ہے معلوم تجھے پھر بھی بقا ہے کہ نہیں
دل دیا، جان دیا، سر بھی دیا، میں تجھ کو
میں تو تیرا ہوا اب تیری رضا ہے کہ نہیں
لوگ کہتے ہیں سبھی یار ہے 'صورت' کا 'بہار'
کیسا اخبار ہے یہ بات صفا ہے کہ نہیں

—

جس دل کو خدا یاد، وہ آباد ہمیشہ
آباد ہمیشہ ہے دلِ شاد ہمیشہ

—

نام لو محبوب کا پھر کام بھی محبوب ہو
خوبرو خوش خویء ہو خوش نام ہو مرغوب ہو

خوب ہونے میں خوشی محبوب ہونے میں مزا
کیوں نہ ہو محبوب جس کے دل کا حق مطلوب ہو
مرنے کے آگے سیں مرنا کام درویشوں کا ہے
رندِ بے پروا کسی کے آگے کب مغلوب ہو
حسن 'صورت' کا نظارا دیکھ ہوتا ہوں 'بہار'
در حقیقت یہ تماشا خوب ہی مرغوب ہو

—

ناموافق یار ہووے ناموافق یار سیں
ناشگفتہ گل ہوا ہے ناشگفتہ خار سیں
زخم گل کی بات سن بلبل سیں میں دیکھا و لے
برگ گل غربال ہوتا خار کے آزار سیں
دیکھ لو گلدستہ بستہ خوش ہوئے عطار پاس
خار کے آزار سیں گل آگیا بازار سیں
دیکھ 'صورت' گل کی مرجھائی کو، مرجھایا 'بہار'
کیسا پھولا تھا، کہ لالی زخم تھی سرشار سیں

—

خزاں تو ٹل گئی دیکھ اب بہار آیا ہے
رقیب جل گیا اب دیکھ یار آیا ہے
ہر ایک گل نے کیا سجدہ پاے بوسی سیں
جو گلستاں میں مرا گلعذار آیا ہے
کلی کلی کھلی گلشن کی پھولی پھلواری
ہر ایک شاخ سیں نغمہ ہزار آیا ہے
جو رنگ رنگ کے بوٹے کھلے ہیں گلشن میں
تماش گاہ کو رنگین سنگار آیا ہے

میں تجھ سے کیا کہوں 'صورت بہار' دیکھ کے آج
ہر ایک صورتِ دل کو قرار آیا ہے

—

زلف کے پیچوں میں جو دل آگئی سو آگئی [1]
دیکھ دانہ خال کا پھسلا گئی بھرما گئی
کچھ دلاسا دیجیو دل کو خدا کے واسطے
دلبری کم دیکھ دل ارما گئی شرما گئی [2]

—

دل لگی تم سیں ہماری دل لگی ہے دل لگی
دو جہاں کو چھوڑ کے تجھ سیں آ بالکل لگی
ہوش تو مارا گیا بے ہوشی صاحب آگئی
عقل کا خیمہ اٹھا، اب عشق کی منزل لگی
رات دن کوچہ میں تیری آکے پھر جاؤں، بھلا
کیا خبر مجھ کو ہے تیری کس جگہہ محفل لگی
'صورت' گلزار کی ہر خار و خس تجھ بن 'بہار'
نالہ و فریاد سیں ہر شاخ پر بلبل لگی *

—

قربان مری جان تری جان پہ جانی
ایمان کی یہ بات مری مان گمانی
اے بُت کہ میں یوسف ہوں تو میری ہے زلیخا
میں تیرا پرستار ہوں نادان دیوانی!

—

---

(1) سندھی کی طرح دل کو مؤنث باندھا ہے۔ (2) ارماگئی = غمگین ہوئی

* سندھی میں عوامی تلفظ 'بربل'

"غزل بھیروی"

دوست داری میں تو پہلے خاکساری خوب ہے
یار کی یاری میں آخر جاں نثاری خوب ہے
کر غلامی یار کی اپنی بڑائی چھوڑ دے
دست بستہ عجز سیں کرنا ہی زاری خوب ہے
روبرو دلدار کے دم مارنا ہرگز نہیں
یار کے آگے ادب سیں شرمساری خوب ہے
عاشقی کرنا تو پھر آسائشی سے کیا غرض
عشق میں عاشق کو اول بیقراری خوب ہے
منتظر کو عاقبت دیدار ہووے یار کا
فکر کچھ کرنا نہیں یہ انتظاری خوب ہے
فنا خانہ ہے یہ دنیا، نکل جانا سو واجب ہے
یہ غم خانہ ہے دنیا بس نہ غم کھانا سو واجب ہے
نکل آیا سو بچ آیا جو بیٹھایا سو بھر پایا
اسی مکارہ بازی سیں تو پھر آنا سو واجب ہے

—

اسی ساری خدائی میں، مجھے اک یار کافی ہے
کہوں کیا بات میں اپنی، مجھے دلدار کافی ہے
نہ چاہوں ہفت جنت کو، ترے قدموں کو میں چاہوں
گلی تیری کا اے گل رو، مجھے خس خار کافی ہے

—

ننگوں کو زمستان میں آتش ہے جامہ پشمی
بھوکوں کو رو کھا ٹکڑا خوش ہے بہ سیر چشمی
خشمی تو خندہ رو کو، ہے خندہ رو نظر میں

خشمی کو خندہ رو بھی آوے نظر میں خشمی
کیا کیا عقیق احمر کیا صاف سنگ مرمر
دل ۔ ہول کو گنواتا دل پاک سنگ یشمی
ناخوش نیاز سیں کیا ناخوش یہ دل بہت ہے
خوش ناز سیں کیا تھا، خوش خوب خوش کرشمی
'صورت بہار' ہوگا، یہ بات یاد رکھنا
ہرگز کبھی نہ کرنا، جاہل سیں کشم کشی

—

اے جان میری! تن میں تم، تم تم نہ ہو اور کون ہے
نینن میں تم ، مجھ من میں تم، تم تم نہ ہو اور کون ہے
جاگن میں تم، سوون میں تم،بولن میں تم، چولن میں تم
اوٹھن میں تم، بیٹھن میں تم، تم تم نہ ہو اور کون ہے
انسان میں حیواں میں تم، جنات میں دیون میں تم
ہر رنگ میں ہر فن میں تم، تم تم نہ ہو اور کون ہے
تم گل میں تم بلبل میں تم، تم سرو میں قمری میں تم
گل چین میں گلشن میں تم، تم تم نہ ہو اور کون ہے

"راگ بھیرو"

تم سیں لاگی پریت سانوریا
عجب بھانت کی پریت بنی ہے نئی دکھاوت ریت
سبھ ہم سیں کچھ تم سیں ناہیں ہم ہاری تم جیت
اور کو میت ہوئے نہیں ہوئے تم ہمرو ہے میت
'صورت' شیام 'بہار' کرو اب گاؤں تمرے گیت

"راگ ٹھمری پیلو"

میرا پیارا پیئا پردیس　　اب تو رہیو نہ جائے دیس
میں جاؤں گی اب نہ رہوں گی　　موہ لگتا دیس ودیس[1]
رنگ بھبھوت لگا کے جاؤں　　کر جوگنَ کا ویس[2]

"خیال سورٹھ"

ساون کی رت آئی رے　　پیا بن موکو نیند نہ آوے*
شام گھٹا گھن بجلی چمکے　　کوئی شام مجھے آن ملاوے

"ٹھمری بھیروی"

میری پت راکھو غریب نواز
تم بن اور کو نور نہیں
موکو تم ہو دیا کے جہاز

---

[1] ودیس = بدیس، پردیس　　[2] ویس = بھیس　　* موکو = مجھے

میر حسین علی خان تالپور 'حسین'

(المتوفی 1295ھ)

میر حسین علی خان بن میر نور محمد خان حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ انگریزوں کے تسلط ہو جانے پر گرفتار کر لئے گئے اور کلکتہ میں نظر بند رہے۔ سنہ 1859ء میں رہا ہو کر سندھ پہنچے۔ 26 ربیع الاول سنہ 1295ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی اور 'میرن جاقبا' کے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

میر حسین علی خان 'حسین' کو نہ صرف فارسی ادب سے لگاؤ تھا بلکہ سندھی اور اردو شعر و ادب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ فارسی نثر میں تین کتابیں 'مناقب علوی'، 'شاہد الامامت' اور 'لب لباب' لکھیں۔ نظم میں دو دیوان بطور یادگار چھوڑے، ایک دیوان فارسی و اردو (مشترکہ) اور ایک دیوان اردو باتصویر۔

'دیوان حسین' اردو کلکتہ میں نظر بندی کے زمانے میں مرتب کیا گیا اور وہیں پر مصوری سے آراستہ ہوا۔ اس دیوان میں دو غزلیں 'خادم' بردوانی کی پائی جاتی ہیں، جن کے آخری اشعار یہ ہیں:

آسماں کردم زمینِ شعر را 'خادم' ببین
مطلع ام چوں مطلع خورشید بالا تر شدہ ست

—

اینکہ ای 'خادم' ز فیض معنی سنج تو
'بردوان' مشہور تر از خطہء شیراز گشت

ان غزلوں کے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں: "عبدالمذنب محمد خادم۔ بردوان، ذی الحجہ 1272ھ"۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ 'خادم' ہی 'دیوان حسین' کے

کاتب ہیں، اور یہ دیوان ذی الحجہ 1272ھ تک مکمل ہوا۔ دیوان کی پہلی غزل کا مطلع ہے:

مخفی ہوا تھا ذرّہ محمدؐ کے نور کا
آیا ہے اب تو دور انہیں کے ظہور کا

آخری غزل کا مطلع یہ ہے:

نظر دلبر کی مجھ سے آج پے تقصیر پھرتی ہے
نہیں چلتی ہے تب تدبیر جب تقدیر پھرتی ہے

'حسین' کے اشعار میں مقامی ماحول کا رنگ، وطن سے دوری اور قید فرنگ میں کسمپرسی کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

او میاں کچھ بولئے خلاق رازق کی ثنا
کام تجھ کو آوے جو کر سو تو خالق کی ثنا
بھروسہ دم کا نہیں کچھ کہہ شفاعت کے لئے *
ختم مرسل میر مغرب شاہ مشرق کی ثنا
جن کے حق میں 'لافتیٰ' لایا تھا جبریل امیں
کیوں نہ کہتے ہو بھلا اس شیر بر حق کی ثنا
چار دن کی زندگانی کا نہیں کچھ بھروسہ
فاطمہ شبیر و شبر صاحب حق کی ثنا
یہ زباں میری نہیں قابل ہے جو کچھ کیجئے
عابد و موسیٰ رضا باقر و صادق کی ثنا
کچھ تو کہہ ورنہ حُسینا خاک ہونا ہے تجھے
ہادی و مہدی حسن جواد و واثق کی ثنا

فرد

حسینا جو کہ کی تقصیر میں نے
خدا کے واسطے وہ یاد مت لا

---

* سندھ کا مقامی لب ولہجہ۔

—

آیا ہے آج کل کو زمانہ بسنت کا
مطرب شروع کیجئے گانا بسنت کا
برسوں سے مرے دل میں ہے ازبس کہ اشتیاق
کیا خوب ہے جو کہئے ترانہ بسنت کا
حاجت نہ رکھتے اس لئے پوشاک زرد کی
بس ہے یہ زرد روئی نشانہ بسنت کا
فرش و فروش زرد ہیں اور ہے لباس زرد
کیا خوب ہے 'حسین' زمانہ بسنت کا

—

'حسین' میں نے کہا یار بے وفا کیتیں
نہ دوستی مری چہتے، تو کیوں رلاتے ہو

—

*خدا کرے کہ کسی کا جدا حبیب نہ ہو
یہ بد دعا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
علاج درد جدائی کا کیا کریں حکماء
بجز وصال تمہارے کوئی طبیب نہ ہو
غریب و بیکس و بیمار و بے وطن بے یار
ہمارے سا کوئی دنیا میں بس غریب نہ ہو
رہا نہ مال نہ لشکر نہ ملک نے طالع
کوئی مجھی سا یہ عالم میں بے نصیب نہ ہو
'حُسین' بلبلِ گل کو کہا تھا دیکھ کے خار
بہوت خوب ہیں سب یار گر رقیب نہ ہو

---

* مرزا عباس علی بیگ کے قلمی ذخیرہ سے یہ تین غزلیں حاصل ہوئی ہیں۔

—

*تجھ سے محبوب کے تئیں ناز خرام ایسا ہو
سب نہ کیوں برہمن ہو جاویں جو رام ایسا ہو
زلف بکھری پڑی مکھڑے پہ تمہارے اے جاں
پھر نہ کیوں کر کے پھنسے مرغ جو دام ایسا ہو
ترے لب آگے نہیں کچھ بھی وہ اعجاز مسیح
مردہ کیوں کر جیئے گا جو کلام ایسا ہو
نہ تو عالم میں وسیلہ ہے علی سا اے 'حسین'
ان کے تئیں غم نہیں جنہیں کا امام ایسا ہو **

—

*مت کیجئے اے ابر تو گریہ غبار کو
لے جاوے گی ندی پہ ہوا میرے یار کو
سجتا ہے خوب عشق بھی ہر مالدار کو
ہوتی بہوت مال سے اُلفت ہے مار کو
ٹوکا ہے باغباں نے اوسی دن نسیم تئیں
جانے نہیں چمن میں دیا میں نے یار کو
یار آئے ہار پڑگئے اور مصحفیں پڑھیں
کچھ آرزو رہی نہ ہمارے مزار کو
خاطر کو میری جان کے تنکا دیوے گا پھینک
دیکھے اگر فراش مرے جسم زار کو
جس دن کہ تو بھی آوے گا مجھ دیکھنے لئے
بیٹھیں گے اوٹھ چیر کے لوح مزار کو
کیوں کر رہے گا اس کی گلی میں 'حسین' سا
انصاف ہی نہیں جو ہمارے نگار کو

---

* مرزا عباس علی بیگ کے قلمی ذخیرہ سے یہ تین غزلیں حاصل ہوئی ہیں۔ ** یہ مقامی لب ولہجہ ہے

—

بادشاہی سندھ کی با تخت و لشکر تاج و فر
یا الٰہی دے مجھے خیر النسا کے واسطے
جا کے پہنچیں با تجمل جیتے جی اپنے وطن
رحم کیجئے مصطفیٰ و مرتضیٰ کے واسطے
بخت میرے کی درختوں کو کرو سرسبز تم
یا ولی اللہ حسن المجتبیٰ کے واسطے

—

نہ تو ہے تخت نہیں تاج نہیں راج نہ بخت
یہ تو سب چرخ جفا جو کی ستمگاری ہے
حیف یہ چرخ مجھے کیا تو دکھایا یارو
نہ اسیری ہے نہ شاہی نہ سرداری ہے
ایسے میں ملک میں رہتا ہوں جہاں ہنس کر لوگ
ہاتھ اٹھا کر مجھے بتلاتے ہیں بازاری ہے

حمل خان لغاری

(1225-1296ھ)

حمل خان بن رحیم خان 'لغاری' بلوچوں کے 'سیر کانی' قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی ولادت ریاست خیر پور میں اُن کے آبائی گاؤں میں اندازاً سال 1225ھ / 1809ء میں ہوئی۔ فارسی میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے بعد میں متصل گاؤں "میر خان لغاری" (موجودہ تعلقہ سکرنڈ، ضلع نواب شاہ) میں دائمی سکونت اختیار کی۔ ایک مکتب کی بنیاد ڈالی اور درس تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

خیر پور کے والی میر علی مراد خان نے حمل خان کے لئے ششماہی وظیفہ مقرر کیا جو انہیں گھر بیٹھے ملا کرتا تھا۔ پیر صاحب پاگارہ کی درگاہ سے بھی حمل خان اور ان کے خاندان کے معتقدانہ تعلقات تھے۔ حمل خان کی ارادت اور عقیدت خصوصی طور پر نقشبندی طریقے کے "لواری کے بزرگوں" سے تھی اور اسی خاندان کے سجادہ نشین خواجہ محمد حسن مدنی کے دست پر بیعت کی تھی۔

حمل خان ایک ذہین، سنجیدہ اور صلح پسند شخص تھے۔ حاضر جوابی، خوش طبعی اور نکتہ سنجی ان کی طبیعت اور سرشت میں تھی۔ حمل خان نے سنہ 1296ھ /1879ء میں وفات پائی اور اپنے گاؤں میں دفن ہوئے۔

حمل خان سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کا سندھی اور سرائیکی کلام مدح، معجزہ، منقبت، مثنوی، سہ حرفی، غزل، بیت، کافی اور معما وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے۔

حمل خان نے اردو میں اشعار کہے، جس میں سے تھوڑا کچھ دستیاب ہوا ہے *

---

* ملاحظہ ہو راقم کا مرتب کیا ہوا 'کلیات حمل' مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد۔

مثلاً:

جس کو ہے داغ جگر اُس کو نہیں آرام دل
عشق میں پکا نہیں وہ بے خبر ہے خام دل
جس کے دل کا یار کی زلفوں میں ہر دم تھا گذر
اس کا مشکل چھوٹنا ہے جا پڑا در دام دل
جو سجن دل لوٹ لے گیا وہ کبھی آتا نہیں
رات دن وہ ڈھونڈتا ہے گلبدن گلفام دل
ایک پل مجھ سوں جدا ہووے نہیں او ماہرو
دیکھ دل کے درد کاٹوں یہ میرا ہے کام دل
ہر گھڑی ہر وقت مجھ کو یاد ہے وہ دلربا
دم بدم کر کے لیا ہے ورد اس کا نام دل
دین و دنیا عیش و عشرت اس کے دل سوں اتریے
جس سخی ساقی کے ہاتھوں پُر پیا ہے جام دل
ہور 'حمل' کی نہیں کچھ آرزو اس یار بن
اس کا ملنا مانگتے ہیں ہر صبح ہر شام دل

—

دل رام نہ آوے، تو دل آرام نہ آوے
دل رام نہ آوے، تو صبح شام نہ آوے
جس وقت مجھے یار ملے، وقت اس رقیب
بدنام وہ خرخام بیتہ فام نہ آوے
گر مطرب و مرغ و مئے ہوویں حمل حاضر
بے دوست دل رام کسے کام نہ آوے

■

سید مہدی شاہ بخاری

(1230؟-1297ھ)

مہدی شاہ بن جبرئیل شاہ بن علی محمد شاہ بخاری، قصبہ 'میر واہ گور چانی' (موجودہ تحصیل میرپور خاص ضلع تھرپارکر) میں تولد ہوئے۔ سندھی اور فارسی کی تعلیم پائی۔ سلسلہء طریقت میں حضرت پیر صاحب پاگارہ حزب اللہ شاہ کے مرید ہوئے۔ موسیقی سے شغف تھا۔ خود کافیاں گاتے تھے۔ سندھی میں شاعری کی اور صنف 'کافی' کو اپنے کلام میں خوب نبھایا۔

جمادی الثانی سنہ 1297ھ میں وفات پائی اور شہر 'میر واہ' سے ایک میل دور جنوب مشرق میں 'ولی ملوک شاہ' کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مہدی شاہ نے اپنی بعض سندھی 'کافیوں' میں اردو الفاظ، فقرے اور مطلع استعمال کئے ہیں۔ مثلاً:

"دیکھو یار کا دیدار، جو اسرار بن کے آئیا"

—

"سیر سروِ سالاری کا، جا کے تم گلشن میں دیکھو"

بعض 'کافیاں' اردو میں کہیں ہیں۔

"کافی"

وہ جلوہ کا جھلکار، رنگی رخسار، اس جنات عدنی کا
مِن تحتھا الانہار، دیکھو اسرار سہیل یمنی کا
1۔ کج نرگس چشم خماری، کج کار غلاماں کاری
کوہ طور موسیٰ تکراری

غمزہ ہے غمخوار، تجلّی دار، گوہر گل بدنی کا

2۔ کج زلف لیلتہ القدرۃ۔ کج کا ر غلاماں کثرت
کج ابرو سنبل شجرت

کج ظاہر ہے زنہار، زلف کی تار، رضا رب ارنی کا

3۔ لب احمر سرخ اناری۔ کیا لعل موتی مرواری
کیا بخمل بید چناری

کیا چہرے کا چمکار، جھومک کی تار، ہیرا کیا کدنی کا

4۔ جا 'مہدی' اس جا مرئے۔ سر پیش دولہ کے دہرئے
خوفاں ڈرائے آہ نہ کرئے (1)

سردار اوپر ہسوار، قتل کی کار، حسینی حسنی کا

"کافی"

ایسے بادل سخی سو اپر، جوان موہن متوالے رے

1۔ ہک ہک احسن، ہک ہک افضل، ہک ہک بے مثالے رے (2)
ہک ہک ابر بحر در دریا، ہک ہک نور نرالے رے

2۔ آل غوث دہر دا ہویا، بہاوالدین بحالے رے
صدر الدین رکن کا پوتا، صاحب جوش جلالے رے

"کافی"

ایک گل موری مان، تو اے میری جان، پیاری واہ

1۔ مشک و عنبر مرگھ کے ماہیں - جھاڑ جھٹ سونگھے پھول بن جائیں
ہوء رہیا حیران

2۔ مہدی روپ نہ رنجن درشن - کیسی گوپی لاکھوں کرشن
دل پھر تھئی مستان (3)

---

(1) خوفاں ڈرئے = خوف سے ڈر کر (2) ہک ہک = ایک ایک (3) تھئی = ہوئی

"کافی"

تجھ بن دنیا کی دولت لٹا کون سکے گا

1۔ ہفت کشور کی مایا، سرکار سلیمانی

سکندریؑ خزانے کوں کھٹا کون سکے گا (1)

2۔ چاہِ زنخ کا قیدی در غب غب غرق رہیا

یوسف جیسے بندہ کوں چھٹا کون سکے گا

3۔ اژدھا زلف کی عاصا، موسیٰ کی کرامات

اس کاکل کی ناگن کو، اُلٹا کون سکے گا

4۔ عیسیٰ موسیٰ نبی، میرا محمد علیہ السلام

اس مہدی شجاع شاہی کوں ہٹا کون سکے گا

---

(1) کھٹانا = کم کرنا

محمد محسن 'بیکس'

(1275-1298ھ)

محمد محسن، قادر بخش 'بیدل' کے فرزند تھے۔ 26 جمادی الثانی سنہ 1275ھ / 1858ء کو روہڑی میں تولد ہوئے۔ 'بیدل' نے ان کے ولادت کی تاریخ اس طرح لکھی ہے:

بیست و ششم جماد ثانی زاد — محسن و مولدش مبارک باد

پنج و ہفتاد یک ہزار و دو صد — بدز ہجری رسول شاہ رشاد

حق تعالیٰ بحق حسنینش — از حوادث زمان مصون دارد

محمد محسن کو روہڑی میں آخوند عبداللہ نے فارسی کی تعلیم دی اور 'سکندر نامہ' مکمل کرایا۔ چودہ سال کی عمر تھی کہ ان کے والد نے وفات پائی۔ ایک سال کے بعد سیوہن میں قلندر شہباز کی درگاہ پر زیارت کے لئے گئے اور واپس آکر فارسی میں ایک غزل کہی:

من نعرۂ اناالحق دم دم زنم بسوزی
من کوس ذاتِ مطلق دم دم زنم بسوزی

'بیکس' تخلص اختیار کیا اور سندھی میں 'کافیاں' منظوم کیں۔ موسیقی سے ان کو شغف تھا اور بسا اوقات خود بھی گاتے تھے۔ عین عالم شباب میں سنہ 1298ھ / 1881ء میں وفات پائی اور اپنے والد کی قبر کے نزدیک روہڑی میں دفن ہوئے۔

آں یارِ نوجوان کہ خوش بود صحبتش
رفت از جہاں بماند از وداغ حسرتش
سالِ رحیل آن ز خرد جست گفت آن
باوصف "پاک محمد محسن شہید شوقش"
(1298ھ)

فقیر محمد محسن نے سندھی، سرائیکی اور فارسی میں اشعار کہے۔ سرائیکی میں جو 'کافیاں' نظم کی ہیں، ان میں بعض فقرے اور مصرعے ایسی ہیں کہ ان کو اردو کہا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل نظمیں بیشتر اردو ہی میں کہی ہیں:

"کافی"

تری تصویر مجھ کو یاد تا محشر سجن ہو گا
کہاں محشر رہیا اے دل مدامی دن بدن ہو گا

1۔ کہاں لیلیٰ کہاتا ہو ، کہاں مجنوں بتاتا ہو
کہاں دھر 'ہیر' کا نالا، کہاں شیدا 'رنجھن' ہو گا[1]

2۔ کہاں شیریں کہاں فرہاد، کب مشتاق کب معشوق
کبھی تم زیر کب بالا، کبھی عرش و زمن ہو گا

3۔ کہاں 'بیدل' میرا مرشد، قلندر شاہ عالم کا
کہاں طالب کہاں مطلوب کہاں خار و سمن ہو گا

"کافی"

جنازہ لے چلو یارو، سجن کے کوچے میں میرا
جیتے مرتے گلی اُس میں، میرا ہے رین دن پھیرا

1۔ دیکھیں گے جب فراقی دل، اُسی دروازہ دلبر کو
کریں گے سجدہ اور بولیں گے ہوں زخمی پیا تیرا

2۔ اگر چاہے سجن میرا کہ اُٹھ بیٹھے یہ مُڑہ عاشق[2]
ہزاراں شکر کر اٹھوں، دیکھوں کعبہ، دیووں پھیرا

3۔ ملک منکر نکیر آویں، پوچھیں گے حال ایماں کا
کہونگا ہے کہاں 'کنہیا' وہ ایماں دین ہے میرا[3]

4۔ مُلا تم نا جنازہ پڑھ، جنازہ بھی پڑھے دلبر

---

(1) نالا=نام (2) مڑہ = مردہ جسم (3) 'کنہیالال' کی طرف اشارہ جس سے ان کو محبت تھی۔

جسی کا میرے دل اندر ہوا ہے رین دن دیرا
پُچھو اس سے 'بیکس' بے وس کیہی تقصیر کیتی ہے *
جو اُس کوں تم بچھوڑا ہے دل اس کی میں ترا دیرا

"کافی"

شہنشہ قلندر! توں ہی ہادی میرا
سوا تیرے صاحب نہیں اور میرا . . .
ملا یار مجھ کوں، جو ہے خود خیالی
بہر دل ہے جاری شہا حکم تیرا

■

* بے وس = بے بس۔ "کیہی تقصیر کیتی ہے" = یہ سرائیکی زبان کا جملہ ہے یعنی کون سی خطا کی ہے۔

میرزا فتح علی بیگ 'فتح'

(1215-1300ھ)

میرزا فتح علی بیگ ولد میرزا مراد علی بیگ، محلہ 'ٹنڈو آغا' شہر حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ وہ 1215ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ 1300ھ میں وفات پائی۔

میرزا فتح علی بیگ کا کلام چار اصناف سخن پر مشتمل ہے: سندھی رباعیات، سندھی کلام، مرثیہ اور سندھی قصائد۔ اردو میں سلام اور نوحے کہتے تھے، اور امیران سندھ کی مجالس عزا کے خاص مرثیہ خواں تھے۔ بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ میر حسن علی خان تالپور نے میرزا صاحب کے کہنے پر ہی شاعری شروع کی، جس میں اصلاح وہ خود دیتے تھے۔

میرزا صاحب کے کلام کا ایک قلمی نسخہ ان کے خاندان میں محفوظ ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

حُسن انداز بہار روح پرور دیکھئے
گلشنِ احمد سیں اک تازہ گلِ تر دیکھئے
غنچے کھلتے ہی کھُلے اسرار باغ دو جہاں
پتّے پتّے میں ضیائے روئے حیدر دیکھئے
عرق آلودہ جبیں پر ہیں ستارے ضوفشاں
دامنِ گل پر جڑے ہیں جیسے گوہر دیکھئے
آئی ہے تیرہ رجب ہوتے ہیں جلسے جا بجا
مدحتِ سبطِ نبی ہر اک زباں پر دیکھئے
جاگی ہے تقدیرِ کعبہ سو چکی تقدیرِ کفر

روئے حیدر دیکھئے زلف معنبر دیکھئے
بادشاہِ 'ہل اتیٰ' بھی، تاجدارِ فقر بھی
ہو رہے ہیں دو جہاں حیران و ششدر دیکھئے
گلشنِ ایمان و عترت بارور ہونے کو ہے
کل سے حُسنِ مسجد و محراب و منبر دیکھئے
دستِ حق سے لٹ رہی ہے آج دنیا کفر کی
منہ کے بل گرتے ہیں بُت کعبہ میں چل کر دیکھئے
فاطمہ بنتِ اسد آئی ہے کعبہ کی طرف
بابِ شہر علم کی خاطر نیا در دیکھئے
لا فتیٰ اِلا علی لا سیف اِلا ذوالفقار
ایک ضربت میں کٹے جبریل کے پر دیکھئے
جن کے دل میں حُبِ حیدر موجزن ہے اے 'فتح'
بس وہی جاکر پئیں گے جامِ کوثر دیکھئے

—

کس درجہ یہ ہوشیار ہیں رندانِ محمد
پیتے ہیں فقط بادۂ عرفانِ محمد
کیا نشہ ہے واللہ مئے حُبِ نبی کا
پی کر ہوئے ذی ہوش یہ مستانِ محمد
مقدور کہاں ہے کہ لکھوں نعت نبی میں
خلاقِ محمد ہے ثنا خوانِ محمد
معراج میں اللہ کے مہمان بنے وہ
اللہ ہو کب دیکھئے مہمانِ محمد
کونین کے بدلے نہ خریدوں کوئی سایہ
کافی ہے مجھے سایۂ دامانِ محمد

شیدا کبھی رخ پر کبھی گیسو پہ تصدق
کیا دل کہ میں ہوں جان سے قربان محمد
آئے ہیں زیارت کو ملک عرشِ بریں سے
اے صلِ علیٰ عظمتِ ایوانِ محمد
ادنیٰ کہ ہو اعلیٰ سب اسی دَر سے پلے ہیں
ہیں ارض و سما بندۂ احسان محمد
سلطانی عالم حضرت پہ گدائی
سلیمان ہے سلمانِ محمد رتبے میں
رتبے میں سلیمان ہے سلمانِ محمد
آیات الٰہی سے 'فتح' یہ ہوا ظاہر
ہے ایک غرض شانِ خدا شانِ محمد

■

نواب اللہ داد خان لغاری 'صوفی'

(1238ھ-1300ھ)

نواب اللہ داد خان بن وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری 27 رمضان سنہ 1238ھ / 1823ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کم سنی میں ہی میر محمد نصیر خان تالپور کے ملازم ہوئے۔ سنہ 1843ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو نواب اللہ داد خان بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے اور تقریباً دو سال کسمپرسی کے عالم میں گذارے۔ پھر انگریزوں کی ملازمت اختیار کی اور سنہ 1847ء سے 1864ء تک 'مختار کار' کی حیثیت سے کام کیا اور رٹائرڈ ہو گئے۔

نواب اللہ داد نے کوٹ لاشاری (تعلقہ سیوہن) میں سکونت اختیار کی۔ وہیں 18 محرم سنہ 1300ھ / 30 نومبر 1884ء کو وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

نواب اللہ داد خان ایک باوقار اور صوفی منش بزرگ تھے۔ اپنے وقت کے بڑے ادیب اور شاعر تھے۔ 'صوفی' تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں صاحب دیوان تھے۔ اس کے علاوہ قصہ تسکین وشیدا (مثنوی) اصغر، مثنوی مسکین فارسی میں لکھیں۔ سندھی، سرائیکی اور اردو میں بھی ان کا کلام موجود ہے۔ اردو کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو۔

متاعِ عشقِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
دل و جاں کی بہا سے یہ ثمر لیتے تو ہم لیتے

مزا پایا ہے میں نے ان لبوں کی تلخ گوئی سیں
اگر شیریں زبانی کی شکر لیتے تو ہم لیتے

بہ آب چشم اس نوخیز نخل ناز بستاں کوں
کیا ہوں پرورش، اب تو ثمر لیتے تو ہم لیتے

مریض عشق کا دارو مسیحا سے نہ ہو آخر
دوا اس لب سے ایک بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
مرے اس شعر دلکش میں اثر کیوں کر نہ ہو صوفی
کہ ہر شعر محبت سے اثر لیتے تو ہم لیتے

—

مکھ اوپر زلف کوں لایا نہ کرو
رین میں دن کوں چھپایا نہ کرو
چشم شوخی سے اُٹھایا نہ کرو
مجھ کوں صحرا میں پھرایا نہ کرو
گر تجھے ڈر ہے خدا کا تو کسی
خنجر چشم سے گھایا نہ کرو
اس قدر تاب ضعیفاں کوں نہیں
نظر شوق اُٹھایا نہ کرو
گر تجھے دل نہیں مجھ سے تو غرض
اپنے منہہ سیں تو سنایا نہ کرو
غیر صحبت میں کبھی مت بیٹھو
مشک کوں گل سے ملایا نہ کرو
گر تجھے پاس ہے 'صوفی' کی عزیز
پاس غیروں کے تو جایا نہ کرو

—

پہلے کہوں نام خدا، جو ہے خدا سب سے بڑا
شب روز ہے جس کا ثنا، میری زباں سے ماجرا
مجھ کوں خدا و مصطفیٰؐ
ہیں دو جہاں میں آسرا

والشمس ہے رو کی قسم، واللیل گیسو کی قسم
مشکین اس مو کی قسم، مجھ کوں وہ ابرو کی قسم
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا
مہ کیا اسی مکھ سے ملے، گل کیا اسی گل سے رلے
قرآن صفت اس کے بلے، جوں ہار ہے اس کے گلے
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا

■

نواب تاج محمد خان لغاری

(1240؟-1300ھ؟)

نواب تاج محمد خان بن نواب غلام اللہ خان (اول) وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے بھتیجے تھے۔ فارسی اور اردو میں شاعری کی۔ اردو میں آپ کی ایک 'کافی' یہاں دی جاتی ہے۔

"کافی"

مجھ ہے فراق دیدن یاراں بسے تمام
مانگوں دعا ملن کی ہر روز صبح و شام
یارب دکھائے مجھ کوں آں دوست دلربا
شکرے بجا نمایم اے احکم الحکام
ساقی بیا بما دہ آں لعلگوں شراب
جس کا نشہ ہے غالب کلّی اوپر تمام
کہتا ہے تاج محمد، سن اے سجن پیارا
مجھ پاس کر نظارا دے عشق کی زمام

■

مخدوم امین محمد 'امین'

(1254-1303ھ)

مخدوم امین محمد بن مخدوم محمد زمان، سندھ کے مشہور ولی حضرت مخدوم نوح رحہ صدیقی سہروردی کی پشت میں سے تھے۔ وہ 7 شعبان سنہ 1254ھ / 1838ء کو شہر ہالا میں تولد ہوئے۔ آخوند محمد قاسم سے وقت کے رواج کے مطابق تعلیم حاصل کی پندرہ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ درگاہ سروری ہالا کے تیرہویں سجادہ نشین ہوئے۔ 27 رمضان سنہ 303ھ / 29 جون 1886ء میں وفات پائی۔

مخدوم امین محمد صاحب سندھی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ ان کی 'کافیاں' مشہور ہیں جن میں مجاز و حقیقت، وحدت و کثرت کے عارفانہ نکات بیان کئے ہیں۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے اور 'امین' تخلص کرتے تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

آہ و فریاد و فغاں پر میرے یہ ہنستے ہیں لوگ
کوئی کہتا ہے کہ جی اور جان سے بھی مر رہا
عشق میرا ہے، تمہاری عقل ہے افراسیاب
دل کے میدانِ مظفر رستمِ رن پر رہا
اے 'امین' اس بات پر انصاف ہے اس آن میں
سیکڑوں سر گم ہوئے گمراہ کا رہبر رہا

—

تجھ دام سے مجھ دل کو چھڑا کون سکے گا
تقدیر کے لکھے کو مٹا کون سکے گا
وہ لائے مرے حق میں چھری سینہ پہ مرے

اس ہاتھ حنائی کو ہٹا کون سکے گا
مژگاں کے تیروں سے تو زخمی ہیں ہزاروں
گھایل کو ترے دیکھ بچا کون سکے گا
افسوس گری کرتے ہیں خود وہ مرے دل پر
پیچوں سے مجھے اس کے چھڑا کون سکے گا
گر آپ چلن۔ ہار ہو اے میرے پیارے
اس داغ جدائی کو مٹا کون سکے گا
ہر دم ہے 'امین' میری شفاعت پہ محمدؐ
گردش میں زمانے کے لٹا کون سکے گا

غزل فارسی آمیزش

اے 'امین' نزد ماہی آمد دوش
از من و عشق یار جوشان جوش

—

یار مست و خراب آیا ہے
ساغر سرخ ناب لایا ہے
جو مزہ دائمی تھا پایا ہے
دست در دست بادہ نوشاں نوش

—

من کی میں نے مراد ہے پائی
عالم افلاک سے صدا آئی
حال بدمست زلف لہرائی
بانگ بوسے کی گرم گوشاں گوش

—

آ ملا جسم و جان کا جانی
جان میری تھی جس کی مہمانی
دیکھ دلبر مرا ہے لاثانی
گئے رقیبوں کے حال ہوشاں ہوش

—

لوگو محفل میں کیا کروں اظہار
میں نے دیکھا وہ دلربا دلدار
اب تو اک بات سے بھی ہوں لاچار
یار کہتا ہے ہو خموش خموش

—

یار کیوں ہوتے خفا پھر ہو دوبارہ ہم سے
آج کیوں الٹ گیا میرا ستارہ ہم سے
شعلہء دل سے میرے آسمان بھی جلتا ہے
آگ تو بجھتی نہیں میرے چشم کے نم سے *
خنجر دست حنائی کے ہزاروں کشتہ
بستہ ہیں تیرے سجن زلف کے ہر ہر خم سے

■

* چشم، بحرکت 'ش'، مقامی سندھی لب ولہجہ

نواب غلام اللہ خان لغاری

(1254-1303ھ)

نواب غلام اللہ خان، ربیع الآخر سنہ 1254ھ/1838ء میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے والد نواب جان محمد خان (اول) کے زیر اثر تربیت پائی۔ عمر کا کافی حصہ عبادت اور ریاضتوں میں بسر کیا۔ چونکہ فقیرانہ طبع کے انسان تھے، لہٰذا کچھ ہی عرصہ میں ان کے معتقدین کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا۔ ہندوں کی ایک کثیر تعداد اُن کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوئی۔ آپ نے اپنے کو ایک جگہ "غلام اللہ فقیر صافی العلوی سبز پوش صوفی القادری" لکھا ہے۔ اپنے فقراء "غلام الٰہیاں سبز پوش" سے موسوم کیا ہے۔ اپنی جاگیر 'ستیاری' (تعلقہ شہداد پور) میں بود و باش رکھی، جہاں پر سنہ 1303ھ/1886ء میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ معتقدین نے آپ کے مزار پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرایا ہے۔

ذوق شعر و ادب انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ سندھی، سرائیکی اور 'ہندی' میں آپ کا اچھا خاصا کلام موجود ہے۔ 'مسکین' تخلص کرتے تھے۔ فارسی بلکہ عربی میں بھی نظم لکھنے کی مشق کی۔ فارسی میں ان کے دستخط لکھے ہوئے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

کروانِ تجارتِ دوران بر سرش آشیان بلای بود
چند کمتر ازین رہایانند گوش میدان ہمی صلای بود

فقیر نواب غلام اللہ کے اعلیٰ اخلاق اور انسان دوستی سے متاثر ہو کر ہندو نہ صرف ایک کثیر تعداد میں آپ کے معتقد ہوئے، بلکہ مریدوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ ان کی تبلیغ اور ہدایت کے لئے انہوں نے زبانِ ہندی میں انہی اصناف پر طبع

آزمائی کی جن سے ہندو مانوس تھے اور جو ان میں مقبول تھیں۔ اُن کے ہندی کلام کا زیادہ تر حصہ 'شبدوں'، 'شلوکوں' اور 'پوڑیوں' پر مشتمل ہے۔ اس نصیحت آمیز کلام میں انسانی اخلاق کی بلندی، توحید اور معرفت کی تبلیغ کی گئی ہے۔ ایسا کلام جو نسبتاً زیادہ اردو۔ آمیز ہے اس میں سے انتخاب درج ذیل ہے:

'مسکین' ممتا روگ ہے، سر بھہ روگن کی چھاپ
جو بن ممتا چھالیا، اس جنم گوایا آپ

—

'مسکین' ممتا اوگنی، جس ہوئی، گن نانہہ
جو جن سنت سروپ ہے، کہوں م بھٹکے کانہہ

—

'مسکین' مایا موہنی، سندر روپی نار
لاکھ چھلاوے ہر جناں، بھٹکاوے سنسار

—

'مسکین' مارگ چالئے، بن مارگ مت چال
جو نر مارگ نا چلے، کر میں ہُوتَ کنگال

—

نیناں بادل برستا، کرتا نت بہار
رین دناں رُت میگھ ہے، آتم دیکھو یار

—

دم دم کا مرنا بھیا، مکھ سیں کہیو نہ جاے
ہم کہتی ہوں آپ کوں، جلت جلت جل جاے

—

نت نت لاگے پریم کا جان ہماری کان
اس شہادت عشق کی ناکو نام نشان

—

صوفی نام کہاون ایسا جیسا نام ہری کا
نا کو نام ٹھام اس جن کا، نا کو ہَندہ پری کا *

—

'لاالہ' نفی سوں نر گیا، اس اُس جنم مٹایا
'الا اللہ' کیا استھانا، آوا گون گنوایا

—

لاگی چھاپ سری ستگر کی، مٹیا سکل گمان
انحد کی گھنگھور سیں پایا پریم گیان

—

من بھر مڑیا مومنا محرم من کا میت
کُبدھیا میں ڈوبتی ساچاؤں کی پریت

—

ہر کا بھید پہچانئے، اور نہ کیجئے آس
اک دن کایا ہو بسی تب لگ آس نراس *

■

* ہندہ = مکان
* قلمی نسخہ میں یہ سطر اتنی صاف لکھی ہوئی نہیں۔ اصلی الفاظ "کایاہو میسی"

غلام حیدر فقیر گرناری
(1225ھ؟-1310ھ؟)

غلام حیدر فقیر 'تھیبہ' قوم کے ایک فرد تھے۔ مدارس میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں حق اور حقیقت کی تلاش میں صحرانوردی اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ کے لئے جھوناگڑھ کے مشہور پہاڑ 'گرنار' پر بھی چلہ کشی کی اور اس نسبت سے 'گرناری' کہلانے لگے۔ بالآخر سید قنبر علی شاہ صاحب بھاڈائی[1] کی صحبت میں ان کی روحانی تربیت اور تسکین ہوئی چنانچہ وہ ان بزرگ سے دست بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

سنہ 1264ھ میں جب قنبر علی شاہ صاحب نے وفات پائی تو غلام حیدر نے فارسی میں قطعہ تاریخ لکھا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے اپنے مرشد کے مزار پر سکونت پذیر ہو کر خدمت خلق میں مشغول ہوگئے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ 1890ء (1308ھ) تک غالباً زندہ تھے[2] مگر اس کے بعد جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

غلام حیدر عالی ہمت اور بلند حوصلہ کے مالک تھے۔ خود کے لئے 'تیرہا' یعنی شہباز کا تخلص اختیار کیا اور اپنے پیر و مرشد سید قنبر علی شاہ سے متاثر ہو کر 'بیت' اور 'وائیاں' منظوم کیں اور صاحب 'رسالہ' ہوئے۔ ان کے 'رسالہ' (بیتوں اور وائیوں پر مشتمل کلام کا مجموعہ) کے جو اجزاء ہمیں ملے ہیں ان میں سے 'بیراگ ہندی'، 'میگھ ملار' اور 'دھناسری' کے سُروں (ابواب رسالہ) کے تحت ان کا ہندی۔ اردو کلام بھی پایا جاتا ہے جس میں سے کچھ اشعار نمونہ کے طور پر ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

---

(1) ملاحظہ ہو مندرجہ بالا ص 82۔ (2) اسی سال ان کا کلام 'رسالہ حیدری' کے نام سے لاہور کے مصطفائی پریس سے شایع ہوا، جس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "کمالیت انتساب عارف باللہ فقیر غلام حیدر صاحب، درگاہ شاہ شریف...... پر سکونت پذیر ہیں۔"

"بیراگ ہندی"

دیکھے جب چشم پیارے کے تو ہم مستان ہو جاتے
سر و پا کوں برہنہ کر اگر عریان ہو جاتے

—

نہ دے آزار مجھ دل کو تو اے آرامِ جاں سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہرباں سمجھو

—

مرا محبوب اب آیا ہمارے کول، آ دیکھو
کلی دل کی صفا کر کے گھنگھٹ کوں کھول، آ دیکھو

—

نہ میں کسی کے سنگ ہوں، نہ کوئی میرا سنگی
میں جسی کے سنگ ہوں، وہ ہمارا سنگی

"میگھ ملار" (وائی)

موں کوں مورے گرو کا ہے بھرواسا
ہوں میں جنم جنم کا جس کا داسا
1۔ ایسا گرو میں پورن پایا
جس نے میٹی تن کی تاسا (1)

"دھناسری"

دُہن تو نام سبحان کوں، دہن تو محمد میر
دُہن تو شہہ مردان کوں، دہن تو شبر شبیر

—

پیر میرا پاک ہے، سرتاجوں کا تاج
سریا ہر کوئی کاج، جو میرے اندر آئیاں (2)

---

(1) میٹی = مٹادی (2) سریا ہر کوئی کاج = سب کام پورے ہوئے

حاجی محمد فضل 'ماتم'

(؟1230-؟1312)

محمد فضل، عباسی خاندان میں سے تھے۔ سنہ 1230ھ کے لگ بھگ ان کی ولادت ہوئی۔ وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی۔ ان کے ایک شعر سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جوانی کے زمانہ میں شاید بنگال کی طرف گئے۔ اور وہاں کچھ عرصہ رہے۔

یاد آتا ہے زمانہ مجھے سوداپن کا
سیر کرتا تھا میں بنگالہ میں سندربن کا

طب کا مطالعہ کیا اور طبابت کو بطور مشغلہ اختیار کیا۔ حرمین شریفین کو حج کے لئے گئے۔ سندھ میں حیدرآباد اور اس کے گرد و نواح میں زندگی بسر کی مگر خاص مسکن حیدرآباد ہی رہا۔ کچھ عرصہ کے لئے شہر سے متصل ٹنڈہ میر نور محمد خان میں رہے، اور وہاں سے بسا اوقات دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر شہر کوٹڑی جایا کرتے تھے۔ خود کہتے ہیں۔

کوٹڑی بھی سندھ میں وہ شہر ہے
جس میں وصلِ جاں سے دل کو بہر ہے...
صبح کو یا شام کو جاتا ہوں، یار
کہتا ہے پھر جاؤ دن دو پہر ہے

کچھ عرصہ شہر حیدرآباد سے سات میل شمال کو 'ہٹڑی' نام کے گاؤں میں رہے۔ زندگی کے آخری ایام بھی وہیں گذرے اور غالباً وہیں پر سنہ 1312ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ اپنی ایک نظم میں گاؤں 'ہٹڑی' کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ:

گلرویوں کے ہونے سے گلستان ہے تو ہٹڑی
شیریں دھنوں سے شکرستاں ہے تو ہٹڑی ...

جو کوئی غریب آیا گیا پھر نہ وطن کو
صبح وطن و شام غریباں ہے تو ہٹڑی...
گو سندھ ہمہ شہر ہے خوباں کا جہان میں ہے تو ہٹڑی
پر سندھ میں سہر شہ خوباں ہے تو ہٹڑی
ہٹڑی میں گرفتار ہے اک پردہ نشین کا
'ماتم' کے لئے گوشہء زنداں ہے تو ہٹڑی

بہر حال وہ شہر حیدرآباد کے گردونواح میں ہی زندگی بسر کرتے رہے اور خود کو بجاطور پر 'حیدرآبادی' سمجھتے تھے۔

'فتح باغی' نے 'نصرپوری' ہیں بلکہ*
سندھ میں بھی حیدرآبادی ہیں ہم

ماتم آل عبامیں تخلص ہی 'ماتم' اختیار کیا۔ البتہ سندھ کے مذہبی روایات میں بغض کا نام ونشان نہ تھا۔ 'ماتم' ان ہی روایات کے علمبردار تھے کہتے ہیں:

فرقہ ناجیہ ہیں وہ، جو لوگ | خاندانِ نبی پہ قرباں ہیں رہ
آل و اصحاب حضرتِ نبوی | ایمان کے چراغاں ہیں
حضرتِ سیدِ محی الدیں کوئی | دوستاں! اپنے پیرِ پیراں ہیں
پوچھے تو یہ کہو 'ماتم' | ہم سگِ کوئی یزداں ہیں

'ماتم' اپنے دور کے سربرآوردہ شعراء میں سے تھے۔ سندھی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ سندھی غزل گو شاعروں میں ممتاز تھے۔ میر عبدالحسین 'سانگی'، غلام محمد شاہ 'گدا'، کمال الدین 'مست'، غلام مرتضیٰ شاہ 'مرتضائی' جیسے معاصروں نے ان کو داد دی اور ان کے تتبع میں غزلیں کہیں۔

ایک غزل جس میں 'سانگی' نے 'ماتم' کو داد دی ہے، وہ 'دیوان سانگی' جلد اول (سندھی) میں شامل ہے، جس کی تکمیل سنہ 1310ھ میں ہوئی۔ اس وقت 'ماتم' کی پیری

---

* 'فتح باغ' کا شہر 16۔ صدی میں موجودہ تحصیل 'ماتلی' ضلع حیدرآباد میں آباد تھا۔ اب اس کے کھنڈرات باقی ہیں۔ نصرپور حیدرآباد سے 15 میل مشرق میں واقع ہے اور ابھی تک موجود ہے۔

تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ماتم' نے 1312ھ کے لگ بھگ یا اس سے بھی پہلے وفات پائی۔

محمد فضل 'ماتم' اردو کے 'صاحبِ دیوان' شاعر تھے۔ ان کا یہ دیوان خستہ حالی میں سلامت بچ گیا ہے* شروع کی نظم یہ ہے۔

... عشق جنابِ امیر کا — نشہ ہے مجھ کو بادۂ خم غدیر کا

... ... مہر منیر کا — عاشق ہوں میں کسی کے رخ بینظیر کا

آخری نظم میں دیوان کی تکمیل کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ بالکل آخری اشعار یہ ہیں۔

ہزار و دو صد و چارم نوے میں
ہوئی 'دیوان ماتم' کی تمامی
کہی ماتم سنِ ہجری میں اوس کی
"گل باغ ارم" تاریخ تامی
(1294ھ)

دیوان کے مطالعے سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1۔ دیوان کی ترتیب و تکمیل کے وقت یعنی کہ سنہ 1294ھ میں 'ماتم' یقیناً پیر سن تھے۔ کہتے ہیں:

عہد پیری بھی مبدّل مرگ سے ہو گا یقین
جس طرح پیری سے بدلا 'ماتم' ایام شباب

—

آپ کو گھیر لی اے ماتم محزوں پیری (ردیف ش)

—

جوانی کا ہے عالم عالَمِ خوش — غم پیری نہ گر رکھتا ہو در پے

—

* دیوان ماتم اردو کا قلمی نسخہ جناب محترم مرزا اسد بیگ صاحب سے ملا انہوں نے بتایا کہ یہ نسخہ حاجی 'حقیر' نظامانی کو ہٹڑی کے گاؤں سے خستہ حالی میں دستیاب ہوا۔

تری پیری ہے 'ماتم' اب تو کر تو   خدارا دفتر اشعار کو طے

اچانک آن پہنچا عہد پیری   گیا برباد ایامِ جوانی

2۔ غالباً وہ لاولد تھے۔ دیوان کا ایک شعر ہے:

لاولد کہتے ہیں ہم کو لاولد
شعر سے از بسکہ اولادی ہیں ہم

ان کی ایک سندھی غزل جو 3۔ مارچ 1882ء کو اخبار "سندھ سُدھار" میں چھپی تھی، اس میں بھی ایک شعر بالکل اسی معنٰی میں پایا جاتا ہے:

شعر منهنجو سندو اولاد آه
چو نہ آهيان آءُ اولادي ادا

3۔ اردو خواہ فارسی شاعری میں 'ماتم' کا مطالعہ کافی وسیع تھا۔ وہ اپنے اشعار میں متعدد شعراء کے نام لائے ہیں۔ مثلاً

میں ہوں نادان دور افتادہ دانائی کے دیواں سے
نہ ثانی ہوں 'صحابی' کا، نہ ہمبزم 'بیاضی' ہوں
پریشاں دل ہوں میں تنہائی سے 'ماتم' زمانے میں
نہ ہم دورانِ 'فیضی' ہوں، نہ ہمعصر 'فیاضی' ہوں

نظر آتا نہیں کوئی جہاں میں
جسے کہیئے ہمیشہ کا مقامی
کہاں 'ناسخ'، کہاں 'آتش'، کہاں 'رند'
کہاں فردوسی و سعدی و جامی
کہاں 'شوکت'، کہاں 'حشمت'، کہاں 'فیض'
کہاں 'فیاض'، 'عالی' و 'امامی'
کہاں حافظ کہاں سلمان لیکن

ابھی تک ان کی ہے شیریں کلامی
'نظامی' گرچہ ہے زیرِ زمیں چپ
زمیں ہے پر پُر از نظمِ نظامی

4۔ بعض شعراء کو داد دی ہے اور ان کے اشعار تضمین کئے ہیں۔ مثلاً مصرع

'حیدر' ہے 'ماتم' میری وردِ صبح و شام
"اندہِ فرقت میں مجھ کو بے قراری رات ہے"

—

پڑھ کے مصرع 'رند' کی 'ماتم' سنا اس شوخ کو
"دل سلامت ہے اگر اپنا تو دلبر سیکڑوں"

—

جاں فدا اول سے ہوں اس مصرع استاد کا
"کس طرح ہو ترک مجھ سے عشق مادرزاد کا"

خواجہ حیدر علی 'آتش' کو استاد سمجھتے ہیں اور ان کو دل کھول کر داد دی ہے *

'آتش' کا شعر پڑھتا ہوں اکثر بحسبِ حال
دل ہے وہ بحر سخن کے نہنگ کا

—

یہ شعر خواجہء 'آتش' ہے اپنا ورد مدام
کہ تھا وہ شاہِ سخن بندۂ فدائے قداح

کسی شاعر کے مصرع کو یوں تضمین کیا ہے۔

کسی شاعر کی کیا خوش مصرعِ موزوں ہے یہ 'ماتم'
"لٹا آئے خدا کے نام پر ہم بھی چمن اپنا"

5۔ 'ماتم' کو اپنی غزل گوئی پر ناز تھا۔ کہتے ہیں:

پڑھئے 'ماتم' کے بھی اک دو شعر یار
گر کبھی شغلِ غزل خوانی کرو

---

* آتش کے مطبوعہ کلام میں یہ اشعار نہیں ملتے۔

—

سنا تو اور بھی 'ماتم' غزل ایک
تری طبعِ رواں آب رواں ہے

—

بھرے ہیں بسکہ گلرویوں کے اوصاف
مرا دیواں بھی رشک گلستاں ہے

سخندانوں اور 'گوش فہیم' رکھنے والوں سے 'ماتم' خراجِ تحسین کے متمنی ہیں۔

امید ہے 'ماتم' کہ سخندانِ زمانہ
لکھیں گے مرا نام بھی شیریں سخنوں میں

—

گر نہ سمجھا مدّعی نے شعر میرا کیا ہوا
اس گھر کے واسطے درکار ہے گوشِ فہیم

—

جس سینہ صاف نے مرا 'ماتم' سنا یہ شعر
انصاف کی زباں سے کہا واہ واہ واہ

بعض اشعار میں تعلّی سے کام لیا ہے۔ نہ صرف سندھ کے سربر آوردہ شاعروں میں ان کو اپنی برتری کا دعویٰ ہے، بلکہ فارسی اور اردو کے اساتذہ شعراء کے کلام سے بھی اپنے کلام کو کچھ کم نہیں سمجھتے۔

شاعرانِ سندھ سے 'ماتم' تم آج
شعر میں دعویٰ خاقانی کرو

—

تلخ 'ماتم' کا بھی کلام نہیں
گرچہ شیریں ہے شعر 'جامی' کا

—

یہ یقین ہے بے گمان اے 'ماتم'۔ محزوں، 'حزیں'
گر مرا دیواں پڑھے تو اپنا دیواں چھوڑ دے

—

دیکھ 'ماتم' مجھے 'سودا' بیاباں میں کہا
تیرے دیوان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ 'ماتم' نے آج سے تقریباً ایک سوسال پیشتر اردو زبان کو اپنایا، اور اس میں اتنی دسترس بہم پہنچائی کہ ان کو اہل زبان سے دعوائے ہمسری کی ہمت ہوئی۔ ماتم کے دیوان سے انتخاب درج ذیل ہے:

کہتا تھا زور مجھ سے کہ مرتا نہیں کہیں
ظالم موا میں، اب تو ترا کام ہوگیا

—

گرچہ لاکھوں لکھے گئے دفتر قصہء عشق ناتمام رہا

—

دربدر بیکس و آوارہ پھراتے ہیں ہمیں
گردشِ بخت جدا گنبدِ دوّار جدا

—

آج کل پھر ہے مجھے دولت دیدار نصیب
آج کل پھر ترے طالع کا ستارہ چمکا

—

کسی عاشق کی خوں نوشی کا شاید شوق ہے تجھ کو
نہیں تو، کیا سبب ہے پان کھا کر مسکرانے کا
مرے دل سے جلن سیکھے ہے بجلی، ابر باراں بھی
مری آنکھوں سے سیکھے ہے ہنر آنسو بہانے کا
دل گم گشتہ کا کیا فکر کرتا ہے عبث 'ماتم'
گیا جو ہاتھ سے چڑیا نہیں پھر ہاتھ آنے کا

—

'ماتم' نہ نااُمید خدا کے کرم سے ہو
محروم کب کریم کے در سے گدا گیا

—

گاہ از آتشِ ہجراں، گہے از آب وصال
رشک گلخن ہے کبھی سینہ کبھی گلشن کا

—

چل دیئے اے 'ماتم' مغموم رفقا تیرے جب
دار دنیا میں ہوس رہنے کی تو بھی کر رہا

—

یار آیا خانہء 'ماتم' میں ہے آج بر افروختہ شمعِ طرب

—

گھر میں تو روز رہتے ہو صاحب آج کی شب یہاں رہو صاحب
پان کھا کر کے کم ہنسو صاحب خونِ عشاق مت کرو صاحب ہاتھ
مصحف رخ کی اپنے کھاؤ قسم مصحف پہ مت رکھو صاحب

—

شعر میرا 'ماتم' اس کے زمزموں سے کم نہیں
گلشنِ دوراں میں ہوں میں ہمنوائے عندلیب

—

عاشق ہوئے ہیں آپ کی ہم سن کے خوبیاں
کیوں کر کہیں کہ حور پری یا بشر ہیں آپ

—

گرچہ انساں کے لئے بہتر ہے اے دلدار چپ
خوش نہیں پر صورت تصویر بھی یکبار چپ

ہم ہمیشہ ہیں فراق یار میں نالاں و زار
ہم سے ہم چشمی نہ کر اے ابرِ دریا بار چپ

—

یار سنتا نہیں ہماری بات جانتا ہے دروغ ساری بات

—

غم مردن ہے جس کے حق میں شادی وہی ہے مرد میدانِ محبت
زباں کو جس نے گویائی دی 'ماتم' کیا مجھ کو مدح خوانِ محبت *

—

رخ و گیسو کا دکھا جلوہ بہم اے محبوب
اپنی جانب کو دل مومن و کفار لپیٹ
محرم راز جو ملتے تو ہویدا کرتے
دل میں رکھتے ہیں ہم اپنے کئی اسرار لپیٹ
صاحب بد سے رہو دور کہ لیتا ہے دلا
نیکواں کو اثر صحبت اشرار لپیٹ

—

الغیاث اے شاہ خوباں الغیاث تیرے ہاتھوں سے ہوں نالاں الغیاث
تجھ کو سب معلوم ہے تجھ پر عیاں کیا کہوں میں راز پنہاں الغیاث

—

نہیں گر دل لگی رنگیں رخوں سے تجھ کو اے 'ماتم'
دکھاتا ہے تو پھر رنگینی اشعار کیا باعث

—

* 'مدح' سندھی لب ولہجہ کے مطابق استعمال ہوا ہے۔

کیا کریں کس سے کہیں حالِ دلِ بیمار ہم
کون کرتا ہے محبت کے مریضاں کا علاج
اے میاں جراح یہ مرہم لگانا ہے عبث
کیا ہے زخم خنجر خون نگاہاں کا علاج

—

کیا کرے گا عاشقوں کا چارہ گر ناداں علاج
درد دل کا سخت مشکل ہے، نہیں آساں علاج
میں تو کہتا ہوں کہ مرض العشق مرض الموت ہے
گر نہ باور ہو مرا کر دیکھئے یاراں علاج

—

گر مجھے سمجھے پری رو اپنی تسخیروں کے بیچ
خود بخود بیخود میں پاؤں، پاؤں زنجیروں کے بیچ
کس کے زلف خم بہ خم میں دل پھنسا ہے جس طرح
ایک دیوانہ ہو قابو لاکھ زنجیروں کے بیچ
ابروانِ یار سے لڑتا ہے 'ماتم' دیکھئے
یک تنہ دل حملہ آور ہے دو شمشیروں کے بیچ

—

جو اپنے ہاتھ نگاریں سے بھر دے جانانہ
ہزار جان اگر ہوں کروں فدائے قدح
دکھایا دہر نے ہم کو بہم غم و شادی
ز گریہ ہائے صراحی و خندہائے قدح۔۔۔
یہ شعر خواجہ 'آتش' ہے اپنا ورد مدام
کہ تھا وہ شاہ سخن بندۂ فدائے قدح

—

ایک جلوہ نے جلایا طور کو　　یار کے دیدار کی ہے نار شوخ
کوچہء خوباں میں اے زاہد نہ جا　　ورنہ بیچیں گے تری دستار شوخ
مجھ مریضِ عشق کو بولے طبیب　　تو نہیں بچنے کا ہے بیمار شوخ

—

میں مشت پر ہوں فقط چند استخواں صیاد
پھنسا کے مجھ کو کرے گا تو کیا میاں صیاد
کیا بہار میں جیسا خراب خانہ مرا
خدا خراب کرے تیرا خانماں صیاد

—

دوستاں رکھتے ہیں راہ عشق میں　　پا پیادہ شہسواروں پر گھمنڈ
دشمن جاں ہیں جو 'ماتم' رکھتے ہیں　　دوستی دوست داراں پر گھمنڈ

—

حسن دو روزہ پر مت کر اے گل احمر گھمنڈ
عالم فانی بقا پر چاہئے کیوں کر گھمنڈ

—

سایہ عشق پھرا سر سے نہ، یاروں نے ہزار
لاکھ لکھوا کے ترے سر سے پھرائے تعویذ
لکھ دو ایسا کوئی تعویذ میاں جی مجھ کو
کہ مرے منہ سے گلے کا وہ لگاوے تعویذ

—

بھیجتا ہوں میں کسی ثانی بلقیس کے صوب
میرا لے جائے مگر مرغ سلیماں کاغذ

—

قیس گر ویراں بیاباں دیکھتا روتا ضرور
والہ و حیراں غزالاں دیکھتا روتا ضرور
بسملِ تیر مژہ کی اپنے بیتابی اگر
وہ شہِ ابرو کماناں دیکھتا روتا ضرور
گر بخونِ عاشقاں تشنہ بہ لب خوبانِ سندھ
دوستاں لعلِ بدخشاں دیکھتا روتا ضرور

—

عاشق ہیں ہم تو یار تمہارے جمال پر
چنداں جمال سے بھی زیادہ کمال پر
دیتا ہے روز روز دلاسے نئے نئے
کس طرح اعتبار ہو حافظ کی فال پر

—

با وفا تھے اس قدر، یا بے وفائی اس قدر!
آشنا تھے اس قدر، نا آشنائی اس قدر!
ساتھ ہوتے تھے سدا یا منہہ بھی دکھلاتے نہیں
یا نہ ہوتے تھے جدا، یا ہے جدائی اس قدر!
صد ہزاراں آفریں صورت گرِ ایجاد کو
جس نے جاناں کی یہ صورت خوش بنائی اس قدر!

—

الحذر مِن قرب نارالمحترق دور سے خوباں کو اے دل ہاتھ جوڑ

—

اب تو اے غنچہ دہن مل مجھ سے ورنہ مثل گل
تجھ کو بھی رسوا کروں گا اپنے پیراہن کو پھاڑ
گرچہ دنیا میں تماشے ہیں بہت بے حد مزے
طرفہ تر پر یار سے خوش وصل میں ہے چھیڑ چھاڑ

—

زلف پری کا ہے مجھے سودا بسر ہنوز
دیوانگی دکھاتی ہے اپنے اثر ہنوز
اپنے مریض عشق سے ہے بے خبر ہنوز
عیسیٰ کو ہے ہمارے گمانِ دگر ہنوز
خطہ دیکھ کر مرا مرے قاصد سے یوں کہا
کیا گل نہیں ہوا وہ چراغِ سحر ہنوز

—

دکھلائے نہ اے آتش دل کچھ اثر افسوس
دس بیس رقیبوں کے جلائے نہ گھر افسوس

—

الفت جانی قفس سے ہے مجھے حق میں مرے
چار دیوار چمن ہیں چار دیوار قفس
آہ مرغانِ چمن عالم سے عنقا ہوگئے
کس لئے کہتا ہے اے 'ماتم' تو اشعار قفس

—

کیا بولوں میں پیری میں بھی مجھ اہلِ جنوں کو
ہوتے نہیں طفلانِ پری زاد فراموش
ہچکی بھی کبھی آتی نہ غربت میں مجھے وائے
یارانِ وطن کا ہوں میں وہ یاد فراموش

—

خوباں کی طرف جس کی نظر پڑتی ہے یکبار ہوتا ہے وہیں آئینہ کردار مشوش

—

بلبل باغ قناعت ہے تمام آرام سے در جہانِ خرمی عنقا ہے آرام حریص

—

دُر دنداں کا پیش ہے مضمون جب کہ ہوں بحر فکر میں غواص
گر کرے گا تو قتل 'ماتم' کو تجھ سے قاتل نہ لے گا کوئی قصاص

—

نے سرو سے غرض ہے نہ گلنار سے غرض
ہم کو ہے کس کے قامت ورخسار سے غرض
ماتم جناب حضرت نبوی کے بعد بس
رکھتے ہیں ہم حیدر کرار سے غرض

—

تجھ لب کے آگے ذکر شکر ہے غلط غلط
کوچہ سے تیرے فکر سفر ہے غلط غلط
آخر حیات موت سے ہوتا ہے جب بدل
مرنے سے میری جان حذر ہے غلط غلط

—

خوب کسب عاشقی ہے سیکھ لے 'ماتم' تمام
مردم دانا ہی رکھتے ہیں ہنر سے اختلاط

—

توڑنے سے دل عشاق کے کیا ہوتا ہے
توڑ معشوق کا اے چرخِ ستم گار لحاظ

—

جن کا گیسوے معنبر سے معطر ہے مشام
کب ہوں وے نافہء آہوئے خطا سے محفوظ
جان عشاق یہاں پیر ہن تن میں ہے تنگ
دہن معشوق وہاں تنگ قبا سے محفوظ

—

کیا شباہت شمع کو تیرے رخ پر نور سے
کیسی نسبت رکھتی ہے با مطلع انوار شمع

—

سوز و گداز عشق سے آگے ہے کیا مگر
ہے شام سے جو صبح تلک اشکبار شمع
عاشق نہیں اگر رُخ روشن پہ کس لئے
محفل میں تیرے جلتی ہے پروانہ وار شمع

—

ہے بدن اپنا سراسر سر سے لے تا پائے داغ
اے فلک دیتا ہے تو کیا داغ بر بالائے داغ
ذبح کر کے مجھ کو قاتل نے تو دیکھو کیا کیا
اپنے دامن سے مرے لوہو کے بھی دھلوائے داغ
رہ گئے سب اپنے بیگانے کنار قبر پر
ساتھ اس وحشت کدہ میں بھی ہمارے آئے داغ

—

عاشقی و مفلسی ہے حیف حیف　　بے دلی بے کسی ہے حیف حیف

—

پھر بہار آئی، ہوا پھر میرا دامن گیر عشق
پھر لگے دست جنوں جانے گریباں کی طرف
عشق نے پھر مجھ کو یارو کوچہ گردی میں رکھا
دیکھ کر روتا ہوں پھر گردونِ گرداں کی طرف

—

حسرت و درد و غم و رنج و الم　　جس کے نوکر وہ ہے سلطان عشق
دم بدم ہے عید قربانی ہمیں　　دم بدم ہوتے ہیں ہم قربان عشق
جو کوئی پڑھتا ہے عاشق ہوتا ہے　　اپنا بھی دیوان ہے دیوان عشق

—

از بسکہ دوڑے منزل مقصود کے لئے
پہنچی ہماری گرد نہ پر کارواں تلک
سینہ ہزار ہائے تمنا سے پُر تھا پَر
قسمت قفس سے لے نہ گئی بوستاں تلک

—

تحمل کرتی ہے کیا کیا جفائیں　　ز دست آتش و آب و ہوا خاک
ہمارے آب چشموں کی بدولت　　ہوئی ہے سبزہ زارِ خوش نما خاک
میسر ہو تو ہم آنکھوں میں پائیں　　ترے پا کی بجائے توتیا خاک

—

کیوں کوہکن و قیس رہیں مجھ سے نہ نالاں
نالوں سے مرے کوہ و بیاباں میں لگی آگ

—

پیدا کرے ہزار گل لالہ زار رنگ
لائے کہاں سے پر ترے رخ کا نگار رنگ

—

ہاتھ جاتے ہیں مرے سمتِ گریباں آج کل
پانو پھیلاتے ہیں کوئے شاہ خوباں آج کل
کر گیا ہے وادیء وحشت سے مجنوں کوچ کیا
پھرتے ہیں جو بیکس و بے بس غزالاں آج کل
روئے روشن پر کھلے رہتے ہیں مشکیں موئے یار
جمع ہیں صبحِ وطن شامِ غریباں آج کل

مجھ سے کہتا ہے وہ ہلال مرا — دیکھ قد خمیدہ شکل ہلال
عید قرباں ہے اے صنم بخدا — کیجئے جاے میش مجھ کو حلال
مشتری ہوں میں جس کا نام خدا — وہ بت مہ جبیں ہے زہرہ جمال

—

رات دن صبح و مسا بوئے گل افشاں ہے نسیم
کیا ہوئی کس غیرت گلشن کے کوچہ کی مقیم

—

دودمانِ کی شادی ہیں ہم — خاندانِ غم کی آبادی ہیں ہم
اپنے آب چشم سے سرسبز ہیں — زیب دست و زینت وادی ہیں ہم
ہم گنہگارِ جنابِ عشق ہیں — عبد عبّادی نہ اورادی ہیں ہم
اے عزیزاں ترک عشق و حسن میں — سنگ پریوں نقش بہزادی ہیں ہم
کیا کہیں کاں تھے، کہاں سے آئے ہیں — مثل مضمونِ نو ایرادی ہیں ہم

—

پیروانِ یار ہیں روز ازل سے سر بسر
میرا اور مجنوں کا ہے آپس میں یارانہ قدیم
سو درستی ہے شکستِ خضر میں اے مدعی
فیض حکمت سے نہیں خالی کوئی فعل حکیم

—

کیا کہیں ہم چنیں چناں چوں ہیں
بندۂ بارگاہِ بے چوں ہیں
نرم اس شوخ کا کئے دل جیت
اپنے اشعار ہیں کہ افسوں ہیں

—

کوئی آزاد ہو تو ہو یارو — ہم تو ہیں عشق کے اسیروں میں

—

نہ گلوں میں ہوں میں نہ خاروں میں — عشق کے ہوں جگر فگاروں میں
صاف کہتے ہیں ہم تو ہیں ہم تو — کس کے کوچہ کے خاکساروں میں
عمل عشق شکر حق زاہد — نہ تو عیبوں میں ہے نہ عاروں میں

—

حال دل کا عیاں کروں نہ کروں — راز پنہاں عیاں کروں نہ کروں
دوستو خوار کردیا ہے مجھے — دل کو دشمن گماں کروں نہ کروں

—

خط مرا پڑھ کر یہ قاصد سے کہا — کیا ابھی جیتا ہے وہ مرتا نہیں

—

اگر اے دلربا دیکھیں ترا رخ اک نظر پریاں
تو دل دے کر تجھے چٹ پٹ وہیں ہو جاویں سب چڑیاں
جمال و شوخی و ناز و ادا و غمزہ و عشوہ
عطا کی ہیں صنم تجھ کو خدا نے ساری دلبریاں
صبا گلشن میں کس میکش کی آمد ہے جو یہ تو نے
چمن کے چوک میں چن کر گلوں کی پیالیاں دھریاں
کہو یہ ابر باراں سے کہ یہ ایراں میں جا برسے
کہ ہندستان میں کافی ہیں ہمارے چشم کی تریاں *

—

بہار آئی ہے پھر کر بلبلوں کے واسطے 'ماتم'
چمن میں پھرتے ہیں پتھروں سے لڑکے جھولیاں بھریاں

—

* اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'ماتم' ہندستان میں عرصہ تک رہ چکا تھا

دل نادان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
دشمنِ جان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
در بدر قسمتِ دوّار پھراتی ہے ہمیں
چرخ گردان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
گرچہ ہیں بے سرو ساماں مگر از نالہ و آہ
سرو سامان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
گہہ شب وصل گہے روز فراق آتا ہے یاد
دور دوران کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
دیدہ و دل ہیں پر از آتش و آب اپنے سدا
برق و باران کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
دیکھ 'ماتم' مجھے 'سودا' نے بیاباں میں کہا
تیرے دیوان کو ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں

—

دل چاک کئے الفتِ غنچہ دہنوں میں
پر بوئے وفا پائی نہ ہم گلبدنوں میں
صفرائی طبع ہو گئی آخر میری یارو
سودائے ملیحان ترنجی ذقنوں میں
دیکھا ہے کوئی گل مرے محبوب سا ہرگز
اے بادِ صبا پھرتی ہے تو بھی چمنوں میں
ابرو کے اشارہ سے کیا یار نے آخر
مشہور جہاں نام کو شمشیر زنوں میں
کہتے ہیں نہیں لعل بدخشاں میں مگر سنگ
ہاں خاک مری قدر بھی ہو ہم وطنوں میں
اُمید ہے 'ماتم' کہ سخندانِ زمانہ
لکھیں گے مرا نام بھی شیریں سخنوں میں

—

ہندو بچہ نے چھین کے دل مجھ سے یوں کہا
ہندوستاں بھی کشورِ ترکاں سے کم نہیں
مصرِ جہاں میں غور سے 'ماتم' جو دیکھئے
ہر ایک خوبرو مہ کنعاں سے کم نہیں

—

روتے تھے رات طائر گل زار زار زار
کیا واقعہ ہوا ہے، صبا ماجرا کہو
دیکھا ہے کوئی گل مرے محبوب سا کہیں
باغوں میں تو بھی پھرتی ہے باد صبا کہو

—

ہاتھوں کو پھر ہوا ہے گریباں دری کا شوق
پاؤں کو پھر ہوئی ہے سلاسل کی آرزو
آخر سر وصال صنم میں ہوا وصال
'ماتم' خدا نے سب مری حاصل کی آرزو

—

دلبر مرا ہے خسروِ شیریں لبانِ سندھ
شیریں لباں ہیں گرچہ ہمہ دلبران سندھ
لے جاتے ہیں نگہہ میں دل و جان دوستاں
بنگالہ سے بھی زور ہیں جادو گران سندھ
کس دلربا کو دوں میں بھلا اختیار دل
اک دوسرے سے پیش ہیں سب دلستانِ سندھ
چوں دور سے ہو برق اندھیرے میں خوشنما
آئے ہیں چاندنی میں نظر مہوشانِ سندھ
پُر ہے ہمہ حسین و صبیح و ملیح سے

گویا ہے کانِ حسنِ جہاں میں مکانِ سندھ
'ماتم' ہوں میں تو بلبلِ باغ سخن و لے
ہندی زباں سمجھتے نہیں گر خانِ سندھ

—

کیا چاہیئے کیا کہتا ہے لب لب سے ملا کر
جاناں کا مگر محرم اسرار ہے حقہ

—

شاید صبا اُٹھا ترے کوچے میں لا رکھے
اس شوق سے میں سوکھ ہوا شکل برگ گاہ

—

دل ہے فدائے حسن و جمال محمدی
جاں ہے نثار شان و کمال محمدی
مثل خدا حبیب خدا بھی ہے بے مثال
بے مثل مثل سے ہے مثالِ محمدی
'ماتم' ہزار شکر خدائے قدیر آں کہ
دست من است و دامن آل محمدی

—

پلا ساقی شراب ارغوانی — کہ مستی میں کہیں راز نہانی
دل صاحبدلاں ہیں لوٹ لیتے — بتانِ سندھ با شیریں زبانی
جو کوئی عشق خوباں ہو یارو — کرے قطع اُمیدِ زندگانی

—

فصلِ بہار ساقی مستاں بکام ہے
درکار ہم کو اب ترے ہاتھوں سے جام ہے
صوفی تمام شہر کے ہیں مے پرست لیک
بدنام زاہدوں میں تو بندہ کا نام ہے

ہم تو مرید حضرت پیرِ مغان ہوئے
اے زاہدِ زمانہ ہمارا سلام ہے
یاروں نے سن نشہ میں مری یہ غزل کہا
'ماتم' بھی طرفہ شاعر شیریں کلام ہے

—

فتنہ قربان ترے نرگس شہلا پر ہے
سرو بھی صدقے ترے قامتِ رعنا پر ہے

—

جب وہ گلرو خرام کرتا ہے سرو جھک کر سلام کرتا ہے
خون پیتا ہوں میں کہ غیر سے یار جرعہ نوشی مدام کرتا ہے
جو مسلماں کہ دیکھتا ہے تجھے اے صنم، رام رام کرتا ہے
تجھ سوا 'ماتم' اے مہِ بے مہر صبح رو رو کے شام کرتا ہے

—

ناز خوباں ہے ناز پر اپنے ہم ہیں نازاں نیاز پر اپنے
ہم کو فکر رسا پہ فخر ہے یار تم کو زلفِ دراز پر اپنے
سرخرو شرم سے ہوں میں 'ماتم' نہ مفتخر نماز پر اپنے

—

خط اب عارض پر نمودار ہوا چاہتا ہے
سبزہ آر ایشِ گلزار ہوا چاہتا ہے
یار اغیار مرا یار ہوا چاہتا ہے
خواب میں طالعِ بیدار ہوا چاہتا ہے
فرطِ عشاق سے کوچہ ترا اے یوسف سندھ
اب تو جوں مصر کا بازار ہوا چاہتا ہے

محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی

(1243-1317ھ)

محمد ابراہیم بن مخدوم عبدالکریم جمادی الاول سنہ 1243ھ مطابق 1827ء میں ٹھٹہ میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی و عربی کی تحصیل کی۔ بعد میں فارسی نثر و نظم کا ذوق پیدا ہو گیا۔ پہلے 'مسکین' تخلص اختیار کیا، اور 'دیوان مسکین' مکمل کیا۔ مکاتیب کو 'کشکول مسکین' کے نام سے مرتب کیا۔ بعد میں اپنے نام ابراہیم کی مناسبت سے 'خلیل' تخلص اختیار کر کے دوسرا 'دیوان خلیل' تیار کیا۔ مکاتیب کے دوسرے ذخیرے کو 'انشائی مائدہ خلیل' کے نام سے مرتب کیا۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے اور 'قانع' کے مقالات الشعراء کا تتمہ بنام "تکملۃ مقالات الشعراء" لکھا۔ سنہ 1317ھ / 1899ء میں ٹھٹہ میں فوت ہوئے۔

خلیل کو سید غلام محمد شاہ 'گدا' [1] کی صحبت میں اردو کا ذوق پیدا ہوا۔ ان کے یہاں 'ناسخ'، 'آباد' اور 'آتش' کے دواوین دیکھے اور متاثر ہو کر چند غزلیں کہیں۔ خود لکھتے ہیں:

> "زبان ہندی را فقیر نداند، مگر از سبب اثر صحبت
> سید غلام محمد 'گدا' تخلص، کہ چار پنج روز در بلدہ
> [تھتہ] بودہ۔۔۔۔ و دیوان "ناسخ" و "آباد" و "آتش" را
> دیدہ شد۔ ازان اینقدر اثری شدہ کہ چند غزل گفتہ شد" [2]

سید غلام محمد شاہ 'گدا' شہر ٹھٹہ میں سید کریم بخش 'عزیز' کے یہاں ٹھیرے تھے۔ ابراہیم خلیل ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور وہ بھی بلاناغہ روزانہ ایک دو مرتبہ ان کے یہاں تشریف لے آتے تھے۔ ایک دن نہ آسکے تو خلیل نے یہ رباعی لکھ کر خدمت

---

(1) ملاحظہ ہو صفحہ 172 (2) تکملۃ، ص 179

میں بھجوائی:

بدیں قدر ز چہ رمیدہ ای از من
بجیر تم کہ چسان آرمیدہ ای از من
منت مدام شب و روز آرزو مندم
تو از چہ دامنِ دل را کشیدہ ای از من

'گدا' کو جیسے ہی رقعہ ملا، چل پڑے اور کافی فاصلہ طے کرتے ہوئے خلیل کے یہاں پہنچے اور آتے ہی فرمایا:

'خلیل' سے جو 'گدا' لحظہ رمیدہ ہو
تو پھر زمان میں کس طرح آرمیدہ ہو

عصر کو دوبارہ تشریف لائے تو خلیل نے کہا:

کہاں ہے لحظہ، دو شب ایک دن جدائی تھی
مجھے یہ صبح بھی اک شامِ بے نوائی تھی

■

نواب حسین علی خان

(1264ھ- 1317ھ)

نواب اللہ داد خان صوفی[1] کے تیسرے نمبر صاحبزادے تھے۔ 5 ربیع الاول 1264ھ میں تولد ہوئے اور 27 صفر 1317ھ میں وفات پائی۔ سندھی کے 'کافی' گو شاعر تھے۔ اردو میں غزلیں کہیں جن میں سے ایک دستیاب ہوئی ہے:

مجھے اب ماہِ خوبی نے حسن کی جلوہ دکھلائی[2]
اتر گئے سب الم دل توں رہی سینے مصفّائی
ہوا روشن چمن سارا بہارستاں لگی دل میں
کھلے گل ہر طرف ظاہر، برہ جب بوند برسائی
برہ کی بات کوں دل میں چھپانا بہت مشکل ہے
ذرا کچھ چھپ نہیں سکتا آخر ہوتی ہے شنوائی
شراب ارغوانی سوں مزا آتا نہیں ساقی
مجھے ساغر محبت سوں بیحد ہے چاشنی آئی
'حسن' اس عشق کا نعرہ جسی کی دل میں ظاہر ہے
نہیں اس خوف اور خطرہ نہ آخر کی ہے رسوائی

---

[1] ملاحظہ ہو مندرجہ بالا صفحات 138-139 [2] حسن، بحرکت دوم، سندھی لب ولہجہ کے مطابق استعمال ہوا ہے

پیر نصیر الدین نقشبندی

(المتوفی1318ھ)

شاہ نصیر الدین بن پیر عبد الحي نقشبندی نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) کے بزرگوں میں سے تھے۔ جھوک عرف میراں پور کے صوفی بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے حلقہ میں بڑے بڑے بزرگ شامل تھے۔ سنہ 1318ھ /1900ء کے لگ بھگ انتقال کیا۔

پیر نصیر الدین کا سندھی اور فارسی میں کلام موجود ہے۔ ان کی سندھی 'کافیاں' مشہور ہیں۔ اردو میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

قامت سے ترے سرو خرامان ہے حیراں
لعلوں سے ترے لعل بدخشان ہے حیراں
مرجان بھی مرجان سے بے جان رہی ہے
پنجہ کی حنا دیکھ کے غلطان ہے حیراں
روتا ہوں ترے ہجر سے شب روز اے دلبر
آنکھوں سے مرے قلزمِ عمان ہے حیراں
نالہ جو کروں ہجر میں شب روز 'نصیرا'
نالوں سے مرے رعد پریشان ہے حیراں

■

سید غلام محمد شاہ 'گدا'

(1253ھ-1322ھ)

سید غلام محمد شاہ بن حسن علی شاہ کا خاندان اصل مشہدی سادات تھے، وہاں سے قندھار آکر بسے۔ سندھ کے عباسی کلہوڑہ حکمرانوں کے دور میں سندھ کے پایہء تخت خدا آباد میں آئے۔ وہاں سے بالآخر ٹالپور امیروں کے عہد میں حیدرآباد میں آکر متوطن ہوئے۔ غلام محمد شاہ کی ولادت شہر حیدرآباد میں سنہ 1253ھ / 1847ء میں ہوئی۔ آخوند احمد بن عبدالعلیم ساوِنی سے تعلیم حاصل کی اور محمد روشن حیدرآبادی سے شعر میں شرف تلمذ حاصل کیا۔ تصوف میں قادری طریقہ سے وابستہ تھے۔ سندھی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ 'گدا' تخلص اختیار کرتے تھے۔ 11 جنوری 1905ء/1322ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

میر شاہنواز خان، لس بیلہ کے جام میر خان، میر بہرام خان، میر عبدالحسین خان 'سانگی' اور میر اللہ بخش شاہوانی 'گدا' کے ممدوحین میں سے تھے۔ میر عبدالحسین خان سانگی کی طرف سے گدا کے لئے انعام واکرام کا سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ جاری رہا۔

امیر زماں میر عبدالحسین گدا کو سخا سے بھلاتا نہیں

—

امیر ذوالکرم عبدالحسین خان گل باغ سخا ہے، قدر داں ہے

—

میر عبدالحسین خان صاحب فیض بخشی میں رشک دریا ہے

'گدا' اپنے معاصرین میں معمر تھے۔ ان کی عمر، اور علم و فضل اور شعر میں دسترس کی وجہ سے میر عبدالحسین خان 'سانگی' ان کی عزت کرتے تھے اور ان کو 'استاد

سمجھتے تھے۔ 'سانگی' نے اپنے ایک سندھی شعر میں 'گدا' کو اردو کا 'آتش ثانی' قرار دیا ہے [1]
'گدا' کے سندھی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیر کی خاطر دو بار دھلی گئے [2]،
بلکہ ایک عرصہ تک سندھ سے باہر ہندوستان میں رہے [3]۔ سفر کے دوران غالباً وہ اردو شعرا سے ملے اور ان صحبتوں کے باعث ان کو اردو میں شعر کہنے کا شوق دامنگیر ہوا۔ ابراہیم خلیل نے لکھا ہے کہ 'ناسخ' اور 'آتش' کے دواوین کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ 'گدا' فارسی اور اردو میں شعر گوئی کو فضیلت کا نشان سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی سندھی غزلوں میں گاہے بگاہے فارسی اور اردو کی مصرعے ضم کرتے ہیں۔ مثلاً:

ڏسي منهنجا اڇا، مونکي چيو هڪ دلبرِ هندي [4]
"اگر سچ پوچھئے، تیرا تو ہے سارا چمن بگڑا"

—

عرض هندي زبان ۾ آءُ ٿو ڪريان [5]
" ساقیا! ساغرِ شراب پلا"

'تکملہ مقالات الشعراء' کے مؤلف اور "گدا" کے ہمعصر، ابراہیم خلیل ان کے ثناخوان ہیں اور اُن سے دلی محبت اور روحانی رابطہ کے حامل ہیں۔ نظم، نثر اور علم تاریخ میں 'گدا' کی مہارت کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"در کلام ہندی نہایت صاحب دستگاہ است...
در کلام ہندی لغایت مہارت ونہایت خبرت دارد" [6]

خلیل نے پھر گدا کی یہ غزل نمونہ کے طور پر نقل کی ہے:

---

(1) "فارسی شعر شد بفرمائش۔ آھ اُردو میں آتشِ ثانی" (سانگی)

(2) " دو بار حضرت دهليءَ جو سير ٿيو حاصل
ڪريان ٿو هاڻ وجي سير گلشنِ ڪشمير"

(3) "وڃائي عمر موڙ وصف بتان ۾
بسر ٿي زندگي هندوستان ۾"

(4) "میرے سر میں سفید بال دیکھ کر ایک ہندی دلبر نے مجھ سے کہا" (5) یعنی: "میں ہندی زبان میں عرض کرتا ہوں" (6) تکملہ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، ص ص 523و525

گلے میں یار کے شب کو جو ہم نے روغ کیا
دو چار جب ہوا اغیار تب دروغ کیا
برنگِ کرمکِ شب تاب ہو گیا مہتاب
جمال عارضِ جاناں نے جب فروغ کیا
شب فراق بھی منظور ہم کو تھی شوکت
سیاہ غم کے لئے ہم نے آہ طوغ کیا
صفائی قلب کی ہر لحظہ کیوں نہ ہو لازم
خدا نے قُوت ہماری جو شیر و دوغ کیا
نہ ایک رات بھی وہ ماہ رو ہوا با مہر
'گدا' کے دل نے ہزار اس کے غم کا سوغ کیا

'کلیات گدا' کے مطبوعہ نسخے [1] میں ان کے اردو کلام میں سے تین منقبتیں، اٹھائیس غزلیں، ایک قطعہ، ایک فرد اور دو رباعیاں موجود ہیں۔ مگر ان کی وہ غزل ناپید ہے جو خلیل نے 'تکملہ' میں نقل کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ 'گدا' کا پورا اردو کلام جمع نہیں ہو سکا۔ گدا کے کلام سے انتخاب درج ذیل ہے۔

مخمس در شان رسول صلعم بر تضمین قدسی

ختم ہے تجھ پہ نبوّت اے شہِ مطلبی
تیرے محتاج ہیں سب شاہ و گدا شیخ و نبی
ہے مجھے تیری ثنا سے ہی صفائے قلبی
مرحبا! سید مکّی مدنی العربی!
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی۔
سیّد! مجھ کو تری ذاتِ مقدس کی قسم
واسطے تیرے بنے ارض و سما لوح و قلم
نور تیرے سے منوّر ہوئے دونوں عالم

---

[1] مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، 1957ء

من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی۔۔۔
ذات اطہر سے شفا خواہ ہمہ پیر و نبی
ہے شفاعت کی قبا جسمِ مطہر پہ پھبی
مثل "قدسی" کے ہے کہتا یہ "گدا" تشنہ لبی
سیّدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو "قدسی" پئے درماں طلبی

منقبت در شان علی رضہ

علی ہے آب و رنگ و بوئے گلزارِ الٰہی کا
علی ہے لؤ لؤ لالائے عمّانِ خدائی کا
علی ہے مصدر الانوار نورِ کبریائی کا
علی ہے مظہر الاسرار سرّ مصطفائی کا
علی کا نام ہے رہبر رہِ صدق و صفائی کا۔۔۔
لڑکپن میں شہا تو نے دہن چیرا تھا اژدر کا
تجھے بخشا مرے مولیٰ! خدا نے حوض کوثر کا
کیا تجھ شاہ کی جرأت نے زہرہ آب عنتر کا
"گدا" ہے مدح گو گلشن فقط اک آپ کے در کا
کرم اُس پر کرو صدقہ شہید کربلائی کا

غزلیات

بارک اللہ مہر مولیٰ کی یہ کیا ایجاد ہے
دل مرا قمری ہے قدِ یار گر شمشاد ہے
گرچہ ہے بیرنگ رنگ عرض و جوہر سے مگر
رنگ سے اُس گل کے رنگیں گلشنِ ایجاد ہے

کیا کروں تعریف اس کی، جس کی صورت دیکھ کر
صورتِ تصویرِ حیراں مانی و بہزاد ہے
گرچہ ہے مشہورِ عالم شہر حسن آبادِ ہند
"کوٹڑی" بھی سندھ میں اک شہر حسن آباد ہے
میں 'گدا' روز ازل سے ہوں محمدؐ کا غلام
دل میں حبِ شاہِ مرداں قلعہء فولاد ہے

اسیر کر کے مجھے ہوگیا نہاں صیّاد
خدا کے نام بتاؤ کہ ہے کہاں صیّاد
عبث تو میری طرف سے ہے بدگماں صیّاد
ہے ڈر کہ گر نہ پڑے تجھ پہ آسماں صیّاد
بھلا میں جاؤں قفس چھوڑ کر کہاں صیّاد
اگر گماں ہے تجھے کرلے امتحاں صیّاد
نہ آب و دانہ کا مجھ کو خیال ہے دل میں
گلِا یہ ہے کہ ہے غیروں پہ مہرباں صیّاد
کبھی کرے نہ کسی کو اسیر کنج قفس
اگر میری سنے اک بار داستاں صیّاد
یہ عندلیب نے رو رو کے ہجر گل میں کہا
کراؤ چل کے مجھے سیر بوستاں صیّاد
کمالِ شوق سے اُڑتے ہی دام میں ہوں پھنسا
نظر جو دور سے آیا وہ باغباں صیّاد
جو آئے دل میں ترے کر وہی جفا و ستم
میں ایک لمحہ کا تیرا ہوں میہماں صیّاد
کبھی کبھی تو وہ سنتا ہے حالِ دل میرا
خدا کا شکر ملا مجھ کو قدر داں صیّاد

—

سماں باغ کا مجھ کو بھاتا نہیں
بجز تیرے کچھ دل میں آتا نہیں
جہاں میں جو چرچا محبت کا ہے
بجز میرے کوئی دکھاتا نہیں
بُتانِ جہاں سے ہے کیا واسطہ
صنم کوئی تجھ سا تو بھاتا نہیں
کتابت میں کس کے حوالے کروں
کوئی یار تک لے کے جاتا نہیں
پرندوں کو بھی مجھ سے ہے دشمنی
کبوتر خطِ یار لاتا نہیں
کرے گا مرے گھر کو روشن وہ ماہ
جسے کوئی بادل چھپاتا نہیں
لبِ بام آیا ہے شاید وہ ماہ
نکلنے کو اب چاند آتا نہیں
ابھی باہر آنے کو ہے شوقِ دل
وہ اب پیرہن میں سماتا نہیں
بجز میر عبدالحسین سندھ میں
کوئی شعر موزوں بناتا نہیں
زمانے میں کوئی بجز "حیدری"
کسی اور کے گیت گاتا نہیں
امیر زمان میر عبدالحسین
"گدا" کو سخا سے بھلاتا نہیں

—

قدِ جاناں ہے سروِ رواں ہے
رخِ زیبا، بہارِ بے خزاں ہے
مری آنکھوں کے خونی آنسوؤں سے
فراقِ یار میں دریا رواں ہے
یہ میری آہ کی ہے گر نہ تاثیر
تو پھر چکر میں کیوں کر آسماں ہے
غمِ دوری سے دلبر کے شب و روز
لبوں پر میرے فریاد و فغاں ہے
کیا بیخود مجھے ساغر پلا کر
بہ فیضِ صحبتِ پیر مغاں ہے
مجھے کیا فکر ہے روز جزا کا
رسول اللہ شفیعِ عاصیاں ہے

—

جب وہ دلبر دوش سے ہم دوش تھا
بادۂ عشرت کا تب اک جوش تھا
بحرِ غم میں غیر ہوتا کیوں نہ غرق
جب کہ مجھ سے یار ہم آغوش تھا
سنتے ہی اُس گل کی خوش الحاں صدا
ہر گلِ رنگیں ہمہ تن گوش تھا
جن کی ہر لمحہ تمنا تھی مجھے
اُس کے لعلِ لب کا بس مئے نوش تھا
دیکھ کر اس ماہ کا حسن و جمال
شکوۂ فرقت سے میں خاموش تھا
عالم فانی کا سب عیش و نشاط

جاگنے پر خواب کے روپوش تھا
عشقِ مولیٰ میں تھا جب بیخود 'گدا'
عیشِ دنیا کا نہ اُس کو ہوش تھا

—

تری بزم میں ہم ہیں آنے کے قابل
ہیں اغیار مردود جانے کے قابل
بجز میرے ہے کون اے ماہِ پیکر
ترے قدم پر سر جھکانے کے قابل
اشارہ کریں گے ترے سامنے کیا
نہیں جب کہ ہم سر ہلانے کے قابل
اگر حق کے طالب ہو، باطل کو چھوڑو
کہ ہے حرفِ باطل مٹانے کے قابل
ملو مجھ سے آکر کہ اے راحتِ جاں
شکر شیر سے ہے ملانے کے قابل
ترے عاشقوں میں نہیں کوئی مجھ سا
غم ہجر میں زہر کھانے کے قابل
غزل مجھ غلام محمد "گدا" کی
زمانے میں ہے داد پانے کے قابل

—

خوش کیا ہم نے اس ستمگر کو
توڑ کر اپنے کاسہء سر کو
کیا عجب کردیں لمحہ میں غرقاب
چشم گریاں سے شہر کو بر کو
یہ تمنا ہے میری جا کے دھروں

اُس کے قدموں میں کاٹ کر سر کو
اُس پری رونے کر دیا بے قدر
لب و دنداں سے لعل و گوہر کو
دیکھ کر قامتِ بلندی دوست
کیوں خجالت نہ ہو صنوبر کو
لبِ شیریں سے اُس کو کیا تشبیہ
قند کو، انگیں کو، شکّر کو
یا الٰہی تو پھر حکومت دے
'جام صاحب' غریب۔ پرور کو *
فتح و نصرت نصیب ہو دائم
اُس عظیم الوقار سرور کو
مجھ کو حاصل ہو دولت دیدار
ہے "گدا" کی صدا یہ حیدر کو

—

جس کا میں بلبل ہوں وہ رشکِ چمن ملتا نہیں
جس کا میں کمخاب ہوں وہ گلبدن ملتا نہیں
کوہکن سا کوہکن ہوں مثل مجنوں دشت دار
پھر بھی رشکِ لیلیٰ شیریں سخن ملتا نہیں
بادشاہت جن کی تھی وہ آج ہیں مثلِ گدا
آدمی کو دائما عیشِ زمن ملتا نہیں
روضہء رشکِ جنان پر جن کو ہر دم ناز تھا
ہائے اُن کے واسطے گور و کفن ملتا نہیں
اے "گدا" مہر خموشی اپنے مُنہ پر تو لگا

---

* یعنی جام میر خان صاحب، والی لس بیلہ

آہ و زاری سے کبھی غنچہ دہن ملتا نہیں

—

کل جو آیا وہ گل اندام گلستاں کے قریب
آگئی جان میں جاں بلبلِ بیجاں کے قریب
مرغ دل جا کے پھنسا زلف پریشاں کے قریب
جیسے بلبل ہو کوئی سنبل پیچاں کے قریب
آنکھیں پھرتی ہیں مری اُس دل ویراں کے قریب
مست جس طرح سے آہو ہو بیاباں کے قریب

—

کل جو اس گل کا گذر جانبِ گلزار ہوا
اُس کے عارض کی طرف دیکھ کے گل، زار ہوا
مرغِ دل دامِ محبت میں گرفتار ہوا
پھر نئی طرح عطا عشق کا آزار ہوا
جو کوئی نشہء توحید میں سرشار ہوا
بیگماں ہر دو جہاں میں وہی سردار ہوا
عیش و عشرت میں گذارے گا وہاں صبح و مسا
خواب غفلت سے یہاں جو کوئی بیدار ہوا
ہفت افلاک وزمیں میں ہے جو پنہاں و عیاں
کلمہء کُن سے خدا کے ہے وہ اظہار ہوا
آلِ احمد کا دل و جاں سے گدا ہوں اے 'گدا'
روز اول سے یہ اس بندہ کا اقرار ہوا

—

زلف دلدار زنگباری ہے
یا فرنگی ہے یا تتاری ہے

چشم جاناں سے ہو چکے ہم قتل
تیغ ہے، تیر ہے، کٹاری ہے
قدِ جانا ہے سرو باغِ جمال
روئے دلدار گل بہاری ہے
دردِ ہجراں میں تیرے اے گلرو
میری شب روز آہ و زاری ہے
'نل' نے وہ خواب میں نہیں دیکھی
جو کہ اس دل میں بیقراری ہے
دشمنوں کو بھی رب دکھائے نہیں
جس طرح مجھ کو انتظاری ہے
روز و شب، صبح و شام، بلکہ مدام
تیرے در پر "گدا" بھکاری ہے

—

اُسی محبوب کو دیکھا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
سراپا نورِ وحدت تھا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
عرق تھا اس کے عارض پر گری شبنم تھی لالہ پر
طِلا تھا یا کوئی ہیرا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
وہ آنکھیں اس کی شیر افگن کہ جن کے خوف سے آہو
بیاباں کی طرف بھاگا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
خیالِ زلف نے دل کو ڈسا تھا مار کی مانند
بلا سے بھی وہ تھی بالا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
"گدا" اس شمع رو کا ہوں دل و جاں سے میں پروانہ
ہے عالم جسؔ کا دیوانہ کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو

—

تجھ سا کوئی اے نازنیں دیکھا نہیں ناز آفریں
دیکھا نہیں ناز آفریں تجھ سا کوئی اے نازنیں
تیری گلی خلدِ بریں میرے لئے ہے اے پری
میرے لئے ہے اے پری تیری گلی خلد بریں
دل پر مرے نقشِ نگیں ہے مہر تیری اے صنم
ہے مہر تیری اے صنم دل پر مرے نقش نگیں
ہجراں میں ہوں زارو حزیں مجھ کو ہے سوگند حزیں
مجھ کو ہے سوگند حزیں ہجراں میں ہوں زارو حزیں
یا سرورِ دنیا و دیں تو ہی تو سید ہے مرا
توہی تو سید ہے مرا یا سرورِ دنیا و دیں

—

دیکھ کر تیرے رخِ درخشاں کو | داغ ہے دل میں ماہ تاباں کو
اپنی زلفیں نہ چیر تو ہر بار | کر پریشاں نہ مجھ پریشاں کو
تیرے یاقوت لب سے ہے بھاری | سنگ سینہ پہ لعل رُتاں کو
شوخی چشم یار سے اس بار | بھاگے ہیں سب ہرن بیاباں کو
جب نہ دیکھوں میں اپنا گل رخسار | خار جانوں میں تب گلستاں کو
در ہوا سینہء صدف میں نہاں | دیکھ کر اُس کے دُرِ دنداں کو

اے گدا مورِ عشق نے سمجھا
اپنے رتبہ سے کم سلیماں کو

—

بغل میں جب نہ ہو دلبر تو پھر کیا ذوق جینے کا
نہ ہو مجلس مین جب ساقی تو کیا حظ مے کے پینے کا
ہوا ہے دستِ غم سے پارہ پارہ تیرے ہجراں میں

رفو ہو گا بھلا کیوں کر یہ میرا چاک سینے کا
ستارہ چاند کے اوپر ہے یا شبنم ہے لالہ پر
نہیں ، تیری جبیں پر ہے یہ اک قطرہ پسینے کا
نہیں اس کے سوا کچھ فخر مجھ کو ہر دو عالم میں
کہ ہوں میں خاک پا آلِ شہنشاہ مدینے کا
"گدا" صبح و مسا سائل ہے شاہا آپ کے در پر
سنو اے منبعِ احساں سوال اپنے کمینے کا

—

جو روئے درخشاں میں ترے تاب ہے واللہ
مہتاب ہے، مہتاب ہے، مہتاب ہے واللہ
آگے ترے دانتوں کے صنم لولوے لالا
بے آب ہے، بے آب ہے، بے آب ہے واللہ
ہر وقت ہے مایوس ترے ہجر میں ہر رات
بے خواب ہے، بے خواب ہے، بے خواب ہے واللہ
سیماب سے بڑھ کر تری فرقت میں مرا دل
بے تاب ہے، بے تاب ہے، بے تاب ہے واللہ

—

تیرے بیمار محبت میں رہی ہے نہ رمق
آیئے آیئے یہ وقتِ مسیحائی ہے

—

میں کیا کروں گا مجھ کو ملے گا جو ایک گھونٹ
ساقی مجھے ہے ساغرِ سرشار سے غرض

—

ہجر میں جس سرو قد کے میں ہوں بے تاب و تواں
یا الٰہی کب وہ ہوگا مجھ سے آکر ہم کنار
ساقی کوثر امیرالمومنین شیر خدا
جام کوثر کا پلائے گا مجھے روزِ شمار
رات دن ہوں اے 'گدا' اس سرو قد کے ہجر میں
اشک بار و دل فگار و داغدار و بیقرار

—

کون ہے جو تری چشم کا بیمار نہیں
یار تری زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
یا رسولِ عربی شاہِ اُمم تیرے سوا
کوئی اس عاجز و بیکس کا مدد گار نہیں
منع کرتا ہے مجھے عشقِ بتاں سے زاہد
کیا کہوں اُس کو کہ وہ واقفِ اسرار نہیں
اس زمانہ میں جو دانا ہے وہی ہے حیراں
عیش و عشرت ہے اسے جو کوئی ہشیار نہیں

—

نرگس چشم سے کر ایک نظر اے دلبر
کردے اچھا تو نظر کر کے یہ بیمار اپنا
بیوقوفوں کو تو ہے نعمتِ الواں حاصل
خونِ دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہشیار اپنا

—

جس سے نیکی کروں بدی وہ کرے یہ عجب طرح کا زمانہ ہے

—

ہوئے ہو آج جو تم اس قدر خفا ہم سے
بتاؤ کون سی ایسی ہوئی خطا ہم سے
اُمیدوار عنایات خسروی ہے 'گدا'
کرم سے کیجئے وعدہ کو اب وفا ہم سے

نہ مجھے حور نے مارا، نہ پری نے مارا
ہاں مگر یار کی ہے کم نظری نے مارا
دو قدم ناز سے چل کر اُسے پامال کرو
دم رفتار جو ہے کبک دری نے مارا
دین و دنیا و دل و جان و قرار و آرام
لے کے کہتے ہو تجھے کیسی پری نے مارا
اُڑ کے اس باغ کی ہم بھی تو کبھی کرتے سیر
کیا کہیں ہم کو ہے بے بال و پری نے مارا

قطعہ

وہ جس محفل میں کل مستوں کا برپا شور اور غل تھا
عجب تھا دور ساغر کا عجب مینا کا قلقل تھا
وہاں دیکھا جو میں نے آج اک گردش سے گردوں کے
نہ وہ مجلس، نہ وہ ساقی، نہ ویسا کچھ تجمل تھا

غلام مرتضیٰ شاہ 'مرتضائی'

(1255؟- 1323ھ؟)

غلام مرتضیٰ شاہ بن روشن علی شاہ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے۔ 'رضوی' سادات کے خاندان میں سے تھے۔ ان کے جد امجد سید میاں محمد یوسف، 'بکھر' سے منتقل ہو کر 'ٹھٹہ' میں سکونت پذیر ہوئے۔ چونکہ آپ سید محمد جونپوری کے متعقدین میں سے تھے اس لئے ان کا خاندان 'رضوی مہدوی' کے نام سے مشہور ہوا۔

غلام مرتضیٰ شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی خاندان کے ایک شاعر اور مدرس سید امام بخش 'فدوی' سے حاصل کی، جو سندھی اور فارسی کے شاعر تھے۔ خود ان کے والد سید روشن علی شاہ 'روشن' فارسی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ لہٰذا غلام مرتضیٰ شاہ کو بچپن سے ہی ادبی اور علمی ماحول میسر ہوا۔ وہ اپنے استاد 'فدوی' کی صحبت میں شعر کہنے لگے اور 'مرتضائی' تخلص اختیار کیا۔ خود کو 'مرتضائی مہدوی ٹھٹوی' لکھتے تھے۔

'مرتضائی' کا سندھی نظم میں کافی ذخیرہ موجود ہے۔ مثلاً شاہنامہء فردوسی (کچھ حصے)، مثنوی یوسف زلیخا، فارسی کتاب انوار الہدیٰ (؟) کا ترجمہ، طوطی نامہ، کریمانیچری اور دیوان مرتضائی۔

سنہ 1323ھ /1905ء کے لگ بھگ ٹھٹہ میں وفات پائی اور کوہ مکلی پر اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی، میر عبدالحسین سانگی، غلام محمد شاہ گدا، محمد فضل ماتم، مرزا قلیچ بیگ قلیچ وغیرہ ایک ہی گروہ کے ہم عصر شاعر تھے۔ 'مرتضائی' نے اپنے سندھی کلام میں ساٹھ کے قریب ہمعصر شعرا کا ذکر کیا ہے۔ ٹنڈہ محمد خان کے میر اللہ بخش خان شاہوانی ٹالپور المتخلص بہ 'معروف' مرتضائی کے خاص ممدوح تھے۔

مرتضائی سندھی کے بلند پایہ غزل گو شاعروں میں سے تھے۔ گذشتہ روایت کے مطابق انہوں نے فارسی میں بھی شعر کہے، اور ان کی فارسی غزلیں 'دیوان مرتضائی' (قلمی) کے آخر میں موجود ہیں۔ مگر مرتضائی نے عمداً اور ارادتاً فارسی کو چھوڑ کر سندھی میں شاعری کی اور خوب کی۔ بعد میں فارسی کے بجائے وہ اردو کی طرف متوجہ ہوئے۔ خود کہتے ہیں:

مرتضائی سندھ میں مشہور ہے تیرا کلام
اب تو اردو میں کہا کر، ہو غزلخواں یار کا

ان کا نمونہء کلام درج ذیل ہے۔

آہ میرے دل سے گذرا نوکِ پیکاں یار کا
ہے کیا خلقت کو خستہ تیر مژگاں یار کا
صد قیامت عاشقوں پر عکس قامت دیکھ کر
رخنہ زن اسلام میں زلف پریشاں یار کا
لیلۃ القدر اب یقیں ہے وصل کی شب آئی ہے
گیسوئی مشکیں ہوا ہے عطر افشاں یار کا
'مرتضائی' سندھ میں مشہور ہے تیرا کلام
اب تو اردو میں کہا کر، ہو غزلخواں یار کا

—

محفل سے میرے تم ہو گریزاں کیا سبب
پھرتے ہو مدّعی سے گلستان کیا سبب
لیلیٰ اگر نہ چہرہ صداقت سے دیکھتی
مجنوں رکھا ہے رو بہ بیابان کیا سبب
دیکھا اگر نہ ناز زلیخائی حسن کا
یوسف رہا ذلیل بزندان کیا سبب

—

بہار حسن کے بستاں کا گل حسیں ہے صنم
کہ جس کے ہجر میں ہے داغدار گل لالہ
عجب ہے لذت غبغب کے چوسنے سے مجھے
کہ جیسے کھانا ملذّذ خروس و بز غالہ
ندائے غیب سنا' مرتضائی' حیدر سے
ترا قبول ہے حضرت میں شیون و نالہ

■

میر محمد حسن علی خان 'حسن'

(1324-1240ھ)

'سرکار رفعت مدار' میر محمد حسن علی خان 'حسن' بن میر محمد نصیر خان ٹالپور والی سندھ 26 ذیقعد سنہ 1240ھ کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ 1259ھ میں گرفتار ہو کر قید فرنگ میں کلکتہ میں نظر بند رہے۔ سنہ 80-1279ھ / 1813ء میں وہاں سے رہا ہو کر حیدرآباد پہنچے۔ 15- ذی الحجہ 1324ھ / 1907ء کو حیدرآباد میں فوت ہوئے اور 1230ھ میں 'کربلائے معلیٰ میں دفن ہوئے۔

میر محمد حسن علی خان ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ مناظرہ میں ان کو خاص دسترس تھی۔ پادری 'فانڈر' کی کتاب 'میزان الحق' کے جواب میں فارسی نثر میں 'لسان الحق' لکھی جو 1358ھ میں مطبع سلطانی لاہور میں چھپی۔ 'رویای صادقہ' فارسی نثر و نظم میں لکھی۔ قصائد، مراثی اور مناجات کو دیوان کی صورت میں مرتب کیا۔ 'مختار نامہ'، 'نہر ابکاء' اور 'فتح نامہ سندھ' (مثنوی) سندھی میں نظم کیں۔ کتاب 'حملہ حیدری' سندھی نثر میں لکھی۔

کلکتہ میں رہے تو اردو کا ذوق پیدا ہو۔ اردو نثر اور نظم میں دسترس پیدا کی۔ پادری عمادالدین پانی پتی کے رسالہ 'تحقیق الایمان' کے جواب میں اردو نثر میں 'احسان البیان' لکھی۔ سندھی، فارسی اور اردو میں شاعری کی۔ 'حسن' تخلص لکھا کرتے تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔*

یا شاہ تمہیں ساقی کوثر نہ کہوں کیوں
لاریب تمہیں حجتِ داور نہ کہوں کیوں

---

* ازبیاض مرحوم مرزا گل حسن 'حسن' کربلائی

اور احمد مرسل کا برادر نہ کہوں کیوں
خالق کا تمہیں شیر غضنفر نہ کہوں کیوں
مولیٰ میں تمہیں نفس پیمبر نہ کہوں کیوں

قبضے میں ترے ہوتی نہ جو تیغ دو پیکر
اللہ کو سمجھتا نہ کوئی مطلق قادر
نہ سرورِ عالم کو کوئی کہتا پیمبر
شمشیر دو سر ہوئی تیری خلق کی رہبر
اس حال میں مولیٰ کو میں رہبر نہ کہوں کیوں

یاں شجر شرافت کے جو گوہر ہیں تو دو ہیں
دریای شجاعت کے شناور ہیں تو دو ہیں
اسرار امامت کے جو دفتر ہیں تو دو ہیں
ہاں تیغ دو پیکر کے جو جوہر ہیں تو دو ہیں
خاتونِ قیامت کے جواہر ہیں تو دو ہیں

یہ دونوں تو ہیں لختِ دلِ صاحبِ معراج
بے شبہہ یہی خلقِ دو عالم کے ہیں سرتاج
شاہانِ جہاں ان کے غلاموں کے ہیں محتاج
ان دونوں سے تو کفر کی بستی ہوئی تاراج
اسلام کی کشتی کے جو لنگر ہیں تو دو ہیں

یا شاہ 'حسن' خادمِ دیرینہ تمہارا
جو کہتا ہے سو دیکھتے ہو سنتے ہو سارا
آزادی کا اس عبد کو کر دیجئے اشارا
للہ چھڑاؤ مجھے دوزخ سے خدارا
بے شبہہ اگر شافعِ محشر ہیں تو دو ہیں

■

میرزا قاسم علی بیگ 'قاسم'

(1253ھ-1324ھ)

میرزا قاسم علی بیگ ولد میرزا فتح علی بیگ، محلہ ٹنڈہ آغا، شہر حیدرآباد میں 1253ھ /1837ء میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم پائی۔ طب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ میر محمد حسن علی خان کی مجالس عزا کے مرثیہ خوان تھے۔ آواز میں اثر تھا اور مرثیہ خوانی میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ سنہ 1324ھ /1906ء میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

میرزا قاسم علی بیگ شاعر ابن شاعر تھے۔ 'قاسم' تخلص لکھا کرتے تھے۔ میر محمد حسن علی خان 'حسن' کے درباری شاعر تھے۔ سندھی اور اردو میں ان کا کلام سلام، مراثی، مناقب، قصائد، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل موجود ہے اور ان کے خاندان میں محفوظ ہے۔ قاسم کی دو غزلیں ملاحظہ ہوں۔

مقتل میں کامیاب ہر اک اُس کا وار ہے
جس زخم دل کو دیکھتا ہوں شاہکار ہے

نظریں ملا کے مجھ کو نہ یوں دیکھ بار بار
کب دل پہ مجھ کو اتنا بھلا اختیار ہے

دم بھر کی زندگی پہ جناب اتنی سر کشی
کیا اپنی زندگی کا تجھے اعتبار ہے

محلوں میں رہنے والے فنا کو نہ بھول جا
جب کاخ کو اُلٹ دیا خاکِ مزار ہے

ہے استوار عہد محبت مگر حضور
یہ عمر مستعار تو ناپائدار ہے

ان کو تلاش میری لحد کی ہے آج کل
شاید نشان قبر مرا نا گوار ہے
آہ و فغاں سے میرے یہ 'قاسم' اثر ہوا
شعلہ فشاں زمین و فلک اشکبار ہے

—

فریب محبت کو سچا بنا دے
دل اس کو بھی اللہ دردِ آشنا دے
بنے شاخِ طوبیٰ مرا آشیانہ
مجھے بال و پر دے تو ایسے خدا دے
میں عاجز نہیں تیرے نخوت سے لیکن
مرے دل کو کچھ تو مگر آسرا دے
نہ گھبرا جفاؤں سے تو اس کی اے دل
بنے جس طرح اپنی الفت جتا دے
مجھے جام دے ایک مست انکھڑیوں سے
مجھے اپنی آنکھوں سے ساقی پلادے
اُنہیں اپنے غم کا بیاں آج 'قاسم'
برستے ہوئے آنسوؤں سے سنا دے

■

سوبھا فقیر لغاری

(1235؟-1325ھ)

سوبھا فقیر بن احمد لغاری کی ولادت 1235ھ /1820ء کے لگ بھگ 'داؤد والا' گاؤں میں ہوئی جو ضلع سکھر کے شہر 'ڈہرکی' سے 25 میل شمال کی طرف واقع ہے۔ بعد میں 'سوبھا فقیر' کا خاندان منتقل ہو کر گاؤں 'داد لغاری' (تعلقہ میرپور ماتھیلہ، ضلع سکھر) میں آکر سکونت پذیر ہوا۔ ابتدائی تعلیم فارسی میں گلستان بوستان تک حاصل کی۔ حضرت پیر صاحب السیر محکم الدین سیلانی کے سجادہ نشین پیر محمد عارف کے مرید ہوئے۔ مجلس سماع کو پسند کرتے تھے۔ خود بھی گاتے تھے، آپ کے گانے میں حیرت انگیز اثر تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے۔ مجلس سماع کو عبادت سمجھتے تھے اور سماعت کے وقت گریہ کرتے تھے۔

عمر بھر شادی نہ کی اور خود کو عبادت و خدمت خلق کے لئے وقف کر دیا۔ نوے برس کی عمر میں بتاریخ 21۔ ذیقعد 1325ھ /1907ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ آپ کا مزار 'گوٹھ عالمانی' (شہر میرپور ماتھیلہ سے 16۔ میل جنوب مشرق کی طرف) میں مرجع عوام ہے۔

'سوبھا فقیر' کا مجموعہ کلام "دیوان درد عشق" چھپ چکا ہے، جس میں ان کی سندھی اور سرائیکی 'کافیاں' اور دوسری نظمیں شامل ہیں۔ سرائیکی 'کافیوں' کے بعض مطلعے اور مصرعے اردو میں ہیں۔ مثلاً:

سدا دل یاد پنجتن ہے، علی ہادی ہمارا ہے

—

'سوبھا' عشق جنہیں سر آیا، سمجھو ساجن پاوے گا *

---

* جنہیں سر = جن کے سر پر

'عارف' سر سلطان، انگن میرے آیا

مندرجہ ذیل 'کافی' میں نظیر اکبر آبادی کے مشہور مطلع کو 'کافی' کے 'تھلہ' (مطلع) کے طور پر تضمین کیا ہے۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

1۔ سب رمزے غمزے چل گئے رٹھرے، راجل کون رجھاوے گا

2۔ آوت جاوت چل گئے راگت، بینت کون بجاوے گا

3۔ دہانت خیانت، چل گئی امانت، 'سوبھل' کون سڈاوے گا

■

میاں جی محمد صالح 'خاکی'

(13۔صدی نصف آخر۔ تا اوائل 14 صدی)

میاں جی محمد صالح، شہر 'مانجھو' کے میرزا صاحبان کے خدمتگار تھے۔ سندھی، فارسی اور اردو میں شاعری کی۔ 'خاکی' تخلص لکھا کرتے تھے۔ میرزا بندہ علی بیگ (المتوفی 1287ھ/1870ء) اور ان کے فرزند میرزا عباس علی بیگ (المتوفی 1329ھ/ 1911ء) اردو کے شاعر تھے۔ میاں جی محمد صالح، میرزا عباس علی بیگ کے مصاحب تھے۔ ان کا ایک دلچسپ قطعہ ملاحظہ ہو۔

قطعہ

آج گھر کو گیا میں دلبر کے\
تھا کھڑا اپنے در اوپر گھر کے\
میں نے پکڑا بغل میں، تب وہ کہا\
چھوڑ صالح، بنام پرور کے

■

نواب نظر علی خان لغاری
(1260؟- 1330؟)

نظر علی خان، وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے بھتیجے اور نواب غلام محمد خان کے چھوٹے فرزند تھے۔ غلام محمد خان فارسی زبان کے اچھے شاعر تھے اور 'غلام' تخلص کرتے تھے۔ 'دیوانِ غلام' بطور یادگار موجود ہے* نظر علی خان فارسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومت برطانیہ کے دور میں آبپاشی کے محکمہ میں داخل ہوئے اور قصبہ 'بدین' میں تعینات ہوئے۔ اسی اثنا میں ان کی "لواری کے بزرگوں" سے عقیدت ہوئی۔

کچھ عرصہ کے بعد ملازمت کو خیرباد کہہ کر اپنے گاؤں 'تاجپور' آکر رہے۔ وہاں سے سیر و سفر کے لئے راولپنڈی گئے۔ بالآخر حصول تعلیم کی خاطر سب تعلقات قطع کر کے اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہا اور رنگون جا پہنچے۔ وہاں پر خود کو "عبداللہ" کہلوایا۔ رنگون میں دینی علوم کی تحصیل کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی، اور وہاں سے حج کو گئے۔ حج کے بعد واپس رنگون آئے، اور پھر سے حرمین شریفین کو چلے گئے جہاں سے اردو میں ایک خط لکھا کہ: "میں اب پیر سن ہو گیا ہوں، اور میری سکونت مدینہ شریف میں ہے۔" اس کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور غالباً مدینہ شریف ہی میں وفات پائی۔

سندھی میں ان کا کلام موجود ہے۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ رنگون سے اردو میں ایک منظوم خط لکھا، جس میں سے یہ اشعار بطور یادگار باقی رہ گئے ہیں۔**

فتح خیبر کیا لاریب جس نے
پہلواں وہ علی حیدر دکھا دے

---

* 'دیوان غلام' (فارسی)، بندہ راقم کی تصحیح کے ساتھ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے۔
** یہ حالات ان کے بھتیجے نواب عرض محمد خان (ولادت 1310ھ) کی زبانی قلمبند کئے گئے ہیں۔

دکھا ہمشیرہ زادہ تینوں مجھ کو
اور ان کی آبرو بہتر دکھا دے

قطب شاہ جہانیاں پوٹہ

(1229-1328ھ)

قطب الدین شاہ بن فتح الدین شاہ 16۔ رمضان 1229ھ/1814ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ جوانی میں ہی زہد اور عبادت میں مشغول ہوگئے اور فقیری اختیار کرلی۔ والد کی وفات پر ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ اور 99سال کی بڑی عمر میں 16۔ ذوالحج سنہ 1328ھ (22۔ دسمبر 1910ء) کو وفات پائی اور 'ٹنڈو جہانیاں' (حیدرآباد) میں دفن ہوئے جہاں پر ان کا مزار مرجع عوام ہے۔

ان کا کلام سندھی 'بیتوں' اور 'کافیوں' پر مشتمل ہے۔ سندھ کے 'کافی' گو شاعروں میں قطب کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی تین 'کافیاں' اور ایک 'شبد' ہندی آمیز اردو میں منظوم ہیں، حالانکہ ان میں بعض فقرے سندھی کے بھی موجود ہیں۔ ان کا اس قسم کا کلام کچھ زیادہ تھا مگر محفوظ نہیں رہا۔ ان کی ایک 'کافی' کا محض 'تھلہ' (مطلع) یاد رہ گیا ہے:

ہندو زور اور زوری
کیوں لوٹی ہے دل موری

باقی 'کافیوں' کا رنگ یہ ہے

"کافی"

ستگور ایسا پریم لگایا ہے
پریم لگتے اکھیاں کھلیاں، ہر جا درسن پایا ہے
1۔ ستگور ایسی طاقی کھولی۔ بسر گئی ہے بی سبھ بولی *
ہر جا 'ہو' 'ہو' پایا ہے

---

* طاقی = دریچہ۔ بی = دوسری

2۔ ستگور ایسی کنجی پھیری۔ بسر گئی ہے 'تیری' 'میری'
ہکو نام سمایا ہے [1]

3۔ ستگور ایسی کنجی لائی۔ نام بناگئی بسر سبھائی
ہر جائے حق سمایا ہے۔

4۔ 'قطب' کیتا 'لا' جگ سارا۔ باقی رہ گیا 'نام، نیارا [2]
اہا ستگور رمز رلائی ہے [3]

"کافی سر رامکلی"

ایک 'نام' سے کام رے بھائی، اور کام سمجھ جھوٹا رے

1۔ پیتی بھیتر امول دانہ، 'نام' سبھ پھوٹا رے

2۔ مَن لہُ المولیٰ فلہ الکُل، سخن سچے کا چھوٹا رے

3۔ 'قطب' اپنا آپ پہچانا، گھر 'ہونے' کا لوٹا رے [4]

"کافی سر بھیرو"

بھورا من! ایسو اوگن کیو۔ نام صاحب کا مول نہ لیو

1۔ در درونی چت نہ لائے۔ اپنو آپے آپ گنوائے
وقت اجایو ویو [5]

2۔ نام بنا گئی عمر اجائی۔ سمجھ تو من سُرت نہ لائی
در در بھٹکن پیو [6]

"شبد"

ستگور ایسی بھگتی لائی ہے
جس نے لوں لوں نام دھیائی ہے

نابھ کنول کوں نام اُٹھایا کنٹھ کنول میں پانی لایا
بھنور غفا میں منزل پائی ہے

---

[1] ہکو = ایک ہی [2] کیتا = کیا (یعنی پورے عالم کو نفی کر دیا) [3] اہا = یہ
[4] ہونے کا = ہستی کا [5] وقت رائگاں گیا [6] در در بھٹکنا پڑا

پیر کمال الدین 'کمال'

(1294-1328ھ)

پیر کمال الدین، نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) میں سنہ 1294ھ /1877ء میں پیدا ہوئے۔ سندھی، انگریزی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد شہر کے مولوی فضل محمد صاحب سے دینی تعلیم حاصل کی۔ موسیقی سے خاص شغف تھا۔ ہر جمعرات کو اُن کے یہاں فقیرانہ شغل ہوتا تھا جس میں یکتارہ اور ڈھولک پر 'کافیاں' گائی جاتی تھیں، اور خود بھی گاتے تھے۔ حضرت مخدوم نوح رحہ (ہالا) کی درگاہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ 1328ھ / جون 1910ء میں وفات پائی اور نوشہرہ فیروز میں دفن ہوئے۔

پیر کمال الدین ایک فقیر منش صوفی تھے۔ انہوں نے سندھی اور سرائیکی میں 'کافیاں'، 'ابیات' اور سی حرفیاں کہی ہیں جن میں اپنا نام 'کمال' لائے ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام کا ایک قلمی نسخہ جو خود ان کا اپنا نسخہ تھا، اس وقت راقم کے پاس موجود ہے، جس میں بعض 'کافیوں' کے مطلعے یا مصرے اردو میں ہیں۔ مثلاً:

جب تک اپنا آپ نہ جانے
بازی برہ بناوے کیوں

—

وہ واہ سجن تیری چالی
خوش خیال عجائب عالی

—

'کمال' کرکے سر قربانی، عشق اڈی پر آوے گا

—

مندرجہ ذیل پوری کافیاں اردو میں ہیں۔

"کافی"

روز و شب مجھ کو تمہاری یادگیری اے صنم
نام تیرا ہے وظیفہ ورد شیری اے صنم
کچھ مجھے پروا نہیں لیکن ترے دیدار کی
حال میرا عشق تیرے میں زہیری اے صنم
نیم بسمل ہو کے کھاتے ہوں بلائی دربدر [1]
عشق کشتہ کی کرو تم دستگیری اے صنم
ہے خدا تیرا ثناگو 'والضحیٰ' 'واللیل' میں
'یٰسین' میں تعریف تیری دلپذیری اے صنم

"کافی"

وہ واہ تماشا لائیا، آدم بنا کے دم کا
بیرنگ میں رنگ چھپائیا، کر کے اولا اسم کا [2]

1۔ احدوں بنا کے احمد، پھر میم بن محمد [3]
'لولاک' چھتر جھلائیا، مالک عرب عجم کا [4]

2۔ ایسا 'کمال' کرنا، مرنے سے آگے مرنا
پیرِ مغاں پلائیا، وحدت سے جامِ جم کا

---

(1) بلائی = چکر (2) اولا = پردہ (3) احدوں = 'احد' میں سے
(4) 'لولاک' چھتر جھلائیا = 'لولاک لما خلقت الافلاک' کا تاج پہنایا۔

میرزا عباس علی بیگ 'علی'

(المتوفی 1329ھ)

میرزا عباس علی بیگ، قصبہ 'مانجھو' (ضلع دادو) کے میرزاؤں کے خاندان میں سے تھے۔ میرزا باقر گرجی (جو اصل جارجیا میں شہر تفلس کے ایک خاندان میں سے تھے) ان کے دادا تھے۔ میرزا باقر کے بڑے فرزند میرزا بندہ علی بیگ فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے سندھی اور اردو میں بھی شاعری کی۔ میرزا عباس علی بیگ، میرزا بندہ علی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ انگریزوں کے دور میں 'مختار کاری' کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ میرزا عباس علی بیگ نے فارسی، سندھی اور اردو میں شاعری کی۔ 'علی' تخلص کرتے تھے۔ ایک بیاض* جس میں 'میرزایانِ مانجھو' کے شعرا کا کلام قلمبند تھا، راقم کی نظر سے گذری۔ اس میں میرزا عباس علی بیگ 'علی' کا اردو کلام بھی موجود ہے، جہاں سے یہ انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

خیال یار کو آنے کا شوق آج ہوا
جو آج دل مرے سخت اختلاج ہوا
ارے طبیب تو میرے سرانے سے اوٹھ جا
مریضِ عشق کا اب درد لا علاج ہوا

—

آہ افسوس کہ کاغذ کو لگیں تیرے ہاتھ
میں تو حسرت میں یہاں ہاتھ کو ملتا ہی رہا

—

* یہ بیاض جناب محترم میرزا اسد بیگ (بن مرحوم میرزا قلیچ بیگ) کی وساطت سے حاصل ہوئی۔

اب جان اپنی یہ تو جلاؤں گا یار بن
اس زندگی کو زہر پلاؤں گا یار بن
صدمے اُٹھاؤں سر پہ میں کب تک صنم سوا
اک روز جان اپنی کھپاؤں گا یار بن
یہ حال دل حزین کا جو ہجر میں ہوا
کس کو عزیزو آہ سناؤں گا یار بن
گرچہ مسیحا عرش سے آوے اُتر ابھی
یہ زخم دل کا میں نہ دکھاؤں گا یار بن
امید پر وصال کے یک بار موت کو
فوجِ فراق لے کے پھراؤں گا یار بن
بے یار زندگی کا 'علی' کچھ مزا نہیں
اب خرمنِ حیات اُڑاؤں گا یار بن

قاصدا کیوں نہیں لاتا مرے دلبر کی خبر
نازنیں مہر جبیں ماہ منوّر کی خبر
پیچ میں زلفوں کے جس نے کیا پابند مجھے
بہر للہ مجھے لادے اوسی اژدر کی خبر
اے صبا تجھ کو تو تصریح کوئی ہوے جو کر
لاکے دیتا ہے اوسی زلفِ معطّر کی خبر
جس کو اصنامِ جہاں کرتے ہیں سجدہ ہر دم
دے شفقت سے مجھے اوس بتِ آزر کی خبر
کیوں نہ محفل وہ منوّر ہو مرے مہ پارے
جہاں پڑ جاوے ترے اس رُخِ انور کی خبر
دل مرا دائر ہوتا ہے دیوانوں کی طرح

یاں آتی ہے جو اس جام مدور کی خبر
گر مرے پاس نہ آتا ہے، تواب اس کے حضور
قاصدا کہہ تو 'علی' عاجز و کمتر کی خبر

—

کہاں تھا، کہاں ہائے آیا ہوں میں
جدائی کا صدمہ اُٹھایا ہوں میں
عزیز اور بیگانوں کا بس نہیں
یہ گردش فلک کا ستایا ہوں میں
نہیں ہوں میں جوگی نہ ہوں جنتری
برہ سے بیراگی بنایا ہوں میں

—

ابھی مجھ پہ کچھ بھید وا ہوگیا ہے
کہ یہ دردِ دل بے دوا ہوگیا ہے
صبا جا کے میرے مسیحا کو کہہ دو
کہ بیمار کا حال کیا ہوگیا ہے
جدائی میں اب تیری تابش کے غم سے
بدن میرا جوں کہربا ہوگیا ہے
حفاظت ہو نامِ خدا میری پیارے
کہیں گے کہ کیوں کر خفا ہوگیا ہے
پیاسا ہوں میں تیرے بوسہ کا ظالم
جہاں مجھ پہ جوں کربلا ہوگیا ہے
خدا جانے کیا ہوگا احوال میرا
کہ وہ میرا جانی جدا ہوگیا ہے
کہے خلق تیری ظرافت کو ہنس کر

بھلا ہو کے آخر برا ہوگیا ہے

چھپا مت رقیبوں سے تو راز میرا

کہ یہ خودبخود برملا ہوگیا ہے

کہا مجھ کو پیرِ طریقت نے آخر

'علی' تیرا مشکل کشا ہوگیا ہے

نواب فقیر ولی محمد خان لغاری

(1252ھ-1332ھ)

ولی محمد خان بن نواب احمد خان بن وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری، میر نور محمد خان ٹالپور اور میر نصیر خان ٹالپور کے عہد میں سنہ 1252ھ /1836ء میں حیدرآباد شہر کے محلہ 'ٹنڈہ ولی محمد' [1] میں پیدا ہوئے۔

سنہ 1259ھ /1843ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو نواب احمد خان لغاری اپنے دو صاحبزادوں ولی محمد خان اور بخش علی خان کو لے کر میر شیر محمد خان ٹالپور کے ساتھ پنجاب چلے گئے۔ وہاں سے 1847ء کے لگ بھگ واپس آئے اور موجودہ 'تعلقہ سکرنڈ' میں اپنی جاگیر 'مرزاں پور' میں رہائش اختیار کی۔ اُس وقت ولی محمد خان کی عمر گیارہ سال تھی۔ مرزاں پور جاگیر میں رہائش کے بعد ولی محمد خان کی تعلیم و تربیت شہر سیوہن کے آخوند میاں غلام محمد اور آخوند میاں محمد صادق کے حوالے ہوئی۔ وہاں انہوں نے فارسی کی تعلیم اچھی حاصل کرلی اور کچھ عربی بھی پڑھی۔ اپنے والد کی ترغیب پر انہوں نے طریقت کی تلقین، جھوک عرف میراں پور کے سجادہ نشین صوفی ابراہیم شاہ [2] سے حاصل کی، اور تصوف اور فقیری کی طرف مائل ہوگئے۔

سنہ 1300ھ /1883ء میں آپ نے 'مرزاں پور' جاگیر سے ہجرت کر کے 'تاجپور' میں مستقل رہائش اختیار کی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ ریاضتیں اور عبادتیں کیں۔ اپنے چچا محمد خان کی وفات کے بعد 54 سال کی عمر میں فقیری کا 'مرصع تاج' پہنا۔ اسی (80) سال کی عمر میں 14۔ رمضان سنہ 1332ھ /1914ء کو وفات پائی۔ تاجپور

---

[1] وزیر اعظم نواب ولی محمد خان کا 'ٹنڈہ' اصل میں موجودہ کچہری سے مغرب کی طرف والی کنٹونمنٹ اراضی میں آباد تھا۔ [2] المتخلص بہ 'فقیر'۔ ملاحظہ ہوں گذشتہ صفحات 111-112

میں دفن ہوئے۔ ان کے مزار پر اب تک ہر سال میلہ ہوتا ہے۔

نواب فقیر ولی محمد کو شاعری کا شوق جوانی میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ فقیری کی طرف مائل ہوئے۔ موسیقی سے بھی شغف تھا، اور خود ستار بجاتے تھے۔ سندھی، سرائیکی، فارسی اور اردو میں ان کا کلام موجود ہے* جس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ فقیر ولی محمد خان 'کافی گو' شاعر تھے اور ان کا اردو کلام 'کافیوں' پر مشتمل ہے، جن پر موزوں غزلوں کا گمان ہوتا ہے۔ ان کے مجموعہ کلام میں اسی قسم کی 14۔ اردو 'کافیاں' اور ایک شبد شامل ہیں۔ کلام سے انتخاب درج ذیل ہے۔

پیالہ مجھ دیا صوفی شراب بے حجابی کا
ہویا دیدار دل اندر صنم کے ماہتابی کا
حسن کا جب دیکھا دفتر، عقل گم ہوگیا ابتر
تھیا ظلمات سے ظاہر، شعاعِ آفتابی کا
قلب کی سیر کرتے ہوں، صورت کے سنگ پھرتے ہوں
مثل نرگس کے کرتے ہوں، نظارا نیم خوابی کا
ولی محمد نہ رہ غافل، دنیا کا عیش عشرت کل
اسی کو چھوڑ دے بالکل، خسارا ہے خرابی کا

—

دیا ساقی مجھے پیالا، اُتر گیا وہم ہستی کا
سارا اسرار ہم دیکھا، عجب صورت پرستی کا
مثل مہتاب تھا روشن، حقیقت کا کھلیا گلشن
حسن کا ہوگیا درشن، ہٹا شک دل شکستی کا
'سری' کے سیر میں جاکر، حسن کا جب دیکھا دفتر
وسر گیا خیال مجھ دل پر، ہوس کی بندوبستی کا
دنیا کے دور کی لذت، کہ جس کا ہے لقب ذلت

* بندہ راقم نے اُسے مرتب کیا ہے اور سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

روا اُس کی نہیں مِلّت، مکاں ہے تنگدستی کا
مشاقی چھوڑ دے بالکل، رندی کے رمز سے رل مل
اوپر گل ہو مثل بلبل، نہ کہا غم شب گزشتی کا
اسی منزل میں ہر عاشق، گہے پر جوش گہہ سالک
گہے وہ عبد گہہ مالک، گہے سربار ہستی کا
عجائب بیخودی کا دم، جسی میں نئیں دنیا کا غم
دَرونی دل اندر تھا گم، خسارا بوالہوستی کا
ہمن ہوں عشق کے طالب، جو ہے کلّی اوپر غالب
کہوں میں کیا کسے بالب، ہے مالک سر نوشتی کا
ولی محمد نہ کس کو کہ، طریقت کے کفر میں رہ
صوفی کی رمز سے وہ وہ، ہوا مطلب اَلستی کا

—

اے دل وصال کا دم مجھ پر جشن جشن
گلذار معنوی کا کھلیا چمن چمن
ذاتی سوں ذات مل گئی ثابت ہوا اسم
مورت کی خاک خاک میں ہوگئی دفن دفن
صورت کا نقش عاشق رکھتے ہیں دل اندر میں
معنیٰ اُسی کی کہہ گئے حب الوطن وطن
صوفی کا دین مذہب وحدت وجود ہے
جزوی عقل کیا جانے جس کو کٹھن کٹھن
آبِ حیات چشمہ ظلمات کے اندر ہے
مجھ کو ہے آبِ حیواں چاہِ ذقن ذقن
جس کا ولی محمد شافع امام ہے
تس کو لقا حضور تھا نبوی حُسن حُسن

—

اے دل گذر مکاں موں چلنا ہے رین دن میں
رنگپور کا سیر دیکھا اب جاؤں گا وطن میں
ساکن ہوں جس عدم کا اب جاؤں گا عدم میں
مشتاق ہوں اسی کا اس چاک پیرہن میں
ذاتی سوں ذات مل ئی باقی رہی صفاتی
گم ہوگئی ہے مورت تصویر کے حسن میں
خاکی قفس کا مطلب فانی فنا کہوں میں
جس کا علاج کہہ گئے تحقیق بت شکن میں
ظلمات سے سکندر خالی نکل گیا وہ
عاشق وصال پایا معشوق کے ذقن میں
دنیا سرائے ماتم جس کو بقا نہیں ہے
عاشق مدام رہتے دیدار کے جشن میں
حب الوطن کی معنیٰ یوں حج اکبری ہے
دیکھو ولی محمد۔ تم قلب کے صحن میں

—

دل محو ہوگیا ہے محبوب کے حسن میں
مشتاق ہوں اسی کا بلبل مثل چمن میں
ذاتی ہے ذات میری ملکِ عدم میں داخل
قسمت مجھے پھنسایا اس زلف کے رسن میں
آدم کا پوش کر کے کرتا ہوں بادشاہی
نا کوئی مکاں یکجا رہتا ہوں عشق بن میں
کہتا ولی محمد، دم دم کے سیر کا ہے
ذاتی مجھے دکھایا 'احد' کے گھور گھن میں

—

ترے دیدار میں ہادی مرے دل کا نظارا ہے
کروں میں کیا کیسے ظاہر بہت اس کا پسارا ہے
بگمہہ کر دیکھ یہ ساقی مرے دل کا یقیں قائم
ہمیشہ جام صہبا سے دماغم پر خمارا ہے
خدا بن حال میرے کا نہیں کو دوسرا واقف
کہ ساری رین میں مجھ کو ستاروں کا شمارا ہے
اگر ہووے خطا میری کرو تم معاف اے دلبر
میرا اس ملک فانی میں یہ دو دن کا گذارا ہے
ولی محمد نہ کیجئے غم وصالِ یار کا ہرگز
ہجر کی راہ میں آخر اسی مشکل کا چارا ہے

—

صبا دم مژدہ ای مارا کہ آں دلدار کب آوے
وصالِ یارمی خواہم پری رخسار کب آوے
روم در گلشنِ خوباں کنم دیدار کب آوے
چو بلبل در چمن پرسم گلِ گلزار کب آوے
برائے صحبتِ جاناں خیالِ بیخودی دارم
طبیبِ درد سودایاں مسیحا وار کب آوے
چو یعقوبے ہجر دارم کہ آں ماہِ مصر بینم
زلیخا وار می جویمٔ کہ در بازار کب آوے
بیا ساقی بدہ ساغر کہ من مستم ز عشقش او
نہ نوشم بادۂ گلگوں بجز میخوار کب آوے
ولی محمد طریقِ عشق می بینی در ایں منزل
کہ جز منصور ر وحدت کسے بردار کب آوے

شبد

سادھو سادھ سنگت میں راکھو دھیان چھوڑ دوئی ابھان
مولچکر کا کرو نظارا، نیئم سبدھ سے جوت نیارا
اَنتر بھیتر سرّ سجان
سشٹ کول موں نام پچھانو، ساسو ساسی آپ میں جانو
جگیاسی سنگ کرت بیان
اوہوں سوہوں بھجن پکارو، پریم رس کا نعرا مارو
گگن منڈل میں سرگ مکان
تر گھٹ تیرتھ ہویا جس پر، گھٹ اجواڑ سمایا تس پر
اَنبرت جام دیا بھگوان
دیس اگم میں چلنا ہویا، پنجرے میں ہوکو سویا
جس کا سپنا رخت نشان
کہت ولی محمد دم ذاتی، مرت لوک ہویا اثباتی
گر صوفی صاف دیا مجھ دان

■

میرزا مراد علی بیگ عرف بڈھل بیگ

(1279-1334ھ)

میرزا مراد علی عرف بڈھل بیگ بن میرزا فتح علی بیگ 1279ھ / 1862ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ سندھی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آخوند علی محمد کے مکتب میں پائی۔ فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور طب کا مطالعہ کیا۔ ایک اچھے خوش نویس تھے۔ مختلف ملازمتیں کیں، لیکن بالآخر میر نور محمد خان ٹالپور کے پاس ملازم ہوئے، جہاں سے ترقی کر کے ان کے وزیر بن گئے۔

میرزا صاحب کو طب اور موسیقی سے خاص شغف تھا۔ اُستاد امیر خان (عاشق علی خان کے ماموں) ان کے خاص ملازم تھے۔ ان کے علاوہ گامن خان، پیارے خان، جمال خان اور سیندھے خان کو بھی ان کی طرف سے باقاعدہ وظیفہ ملتا تھا۔

بڈھل بیگ نے 12 ذیقعد سنہ 1334ھ / 1905ء کو وفات پائی۔ پہلے شہر حیدرآباد میں میر محمد نصیر خان کے مقبرے میں بطور امانت دفن کئے گئے، پھر سنہ 1918ء میں میر نور محمد ان کی لاش کو کربلا لے گئے، جہاں پر میر محمد حسن علی خان کے مقبرے کے ساتھ دوسرا مقبرہ تعمیر کروا کر اس میں دفن کیا گیا۔

بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور اپنے بھائی میرزا قاسم علی بیگ 'قاسم' سے اصلاح لیتے تھے۔ بڈھل بیگ بنیادی طور پر مرثیہ گو شاعر ہیں۔ ان کے سندھی مرثیے ادبی اور فنی لحاظ سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ غزلیں اور 'کافیاں' بھی کہیں۔ سندھی کلام میں 'بڈھل' فارسی اور اردو میں 'مرزا' یا 'میرزا' تخلص کرتے تھے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان غزلیات (اردو، فارسی اور سندھی)، کلیات مراثی،

مختار نامہ، جملہ حیدری (دو جلد) سفر نامہء کربلا[1] اور شگوفہء ماتم (مطبوعہ) موجود ہیں۔

بقول ان کے ہندی یعنی اردو میں ان کو نسبتاً اتنا درک نہیں تھا۔

شعر ہندی میں اے 'مرزا' درک تیرا ہے خفیف
اس سبب مضمون بالکل کم رہا اشعار کا

تاہم ان کے اردو میں تقریباً دو سو غزلیں ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بھاتا ہے سدا روح کو سبزہ چمنی کا
اور بلبل مدہوش کے شیریں سخنی کا
لالاں نے چمن میں جو دکھایا رخِ یاقوت
تب یاد پڑا رنگ عقیق یمنی کا
جب چاندنی کے کھیت میں دیکھا گلِ مہ رو
تب دل سے مدح خواں ہوا سیمیں بدنی کا
کیا صلّی علیٰ شان ہے اُن زلفوں کا جس کی
خوشبو نے خجل کردیا نافہ ختنی کا
یہ میرزا دل جان سے کہتا ہے ہمیشہ
میں ہوں سگِ دربان رسول مدنی کا

—

تیرے کوچہ میں عجب میں نے تماشا دیکھا
جس کو دیکھا سو ترا چاہنے والا دیکھا
میں یہ سمجھا تھا فقط میں ہی رہا ہوں عاشق
یاں مگر خلق خدا کا یہ ہی دعویٰ دیکھا
دوش دیدار سے تیرے مجھے معلوم ہوا
نرگسی آنکھوں میں بس نشہء صہبا دیکھا

[1] یہ کتابیں قلمی حالت میں میرزا عباس علی بیگ صاحب (ٹنڈو آغا، حیدر آباد) کے پاس موجود ہیں۔ اور یہ مواد وہیں سے حاصل کیا گیا۔

ساری دنیا میں پھرا ہوں میں مگر اے خوشرو
تجھ سے بہتر کہیں اب تک نہیں نقشا دیکھا
میرزا بندشِ مضمون کا تیرے بیشک
ہر گلی کوچہ میں ہر رند نے چرچا دیکھا

—

محنت کے بجز غنچہ مثل گل نہ ہوا تھا
بلبل کو یوں ہی لطف یہ حاصل نہ ہوا تھا
ہر روز مزا عشق کا شامل نہ ہوا تھا
جب تک کوئی عاشق وہاں بسمل نہ ہوا تھا
صہبائے حقیقی جو پیا یار سے میں نے
دل میرا اُسی حال میں غافل نہ ہوا تھا
غیروں کی ملاقات سے حاصل نہیں ہوگا
تو اپنی خطا کا کبھی قائل نہ ہوا تھا
شکرانہ کیا مرزا نے مجلس میں کہ جس دوش
سیمیں سے جبیں تیری میں کچھ بل نہ ہوا تھا

—

شمع عارض دیکھ کر موسیٰ نہ پہنچا طور تک
جل گئے کہسار سارے جوں ہی آیا نور تک
کون سے عاشق نے دعویٰ کی اناالحق دوستو
یہ فسانہ ختم لیکن ہوگیا منصور تک
جا کے اُس کے میکدہ میں میں نے اُس کو یہ کہا
اب پلا اے ساقیا وہ ساغر معمور تک
تب رہے کیوں درد میں مرزا اے مولیٰ نا اُمید
جب شفا پائے ہیں در سے لُولے لنگڑے کور تک

سید مصری شاہ نصرپوری
(1245-1335ھ)

سید مصری شاہ بن سید بلند شاہ نصرپور کے مشہور رضوی سادات کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سنہ 1245ھ / 1828ء میں پیدا ہوئے۔ والد فوت ہو گئے تو بڑے بھائی فتح شاہ نے ان کی پرورش کی۔ قاضی گل محمد "گل" نصرپوری کے مدرسہ میں سندھی، فارسی اور عربی میں تعلیم پائی۔ لغت سے شغف تھا، اور عربی لغت 'قاموس' کے الفاظ کی بڑی تعداد ازبر تھی۔ مثنوی حضرت مولانا روم اور رسالہ حضرت شاہ عبداللطیف کو شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ سندھ سے باہر سیر و سفر کا شوق رہا اور ہر سال لاہور، دہلی، آگرہ، اجمیر، کاٹھیاواڑ کی طرف جاتے تھے۔ تقریباً 14 سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر عمر میں نصرپور میں ہی متمکن ہو کر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ ہیضہ کی وبا میں جب دوسرے لوگ شہر چھوڑ چکے تھے، شاہ صاحب توکل علی اللہ وہیں بیٹھے رہے اور بفضلِ خدا ان کی حویلی کے سب افراد سلامت رہے۔

5۔ صفر 1335ھ /1906ء میں تقریباً نوے برس کی عمر میں وفات پائی اور نصرپور میں شاہ محمود کی درگاہ کے جوار میں دفن ہوئے، جہاں پر ان کے مزار پر ہر سال 5 صفر کو عرس ہوتا ہے۔

مصری شاہ نے سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی میں شاعری کی۔ وہ سندھی 'کافی' کے بلند پایہ شاعر تھے اور 'کافی' کو انہوں نے 'غزل' کا ہمدوش بنا دیا۔ اردو اور ہندی میں بھی 'کافیاں' ہی منظوم کیں۔ کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو۔

"کافی"

رہا ہوں میں روزِ ازل سے پیاسا
زمیں خاک میخانہ کی من میں آسا

1۔کرو جام انعام مے ناب مستی
خودی خود پرستی مٹے خام ہستی
نحس نفس نرِ بھاگ جاوے نراسا
2۔تصرّف کی طلعت، نہ کچھ دور دم ہے
یہ تشریف تیری کسی پر نہ کم ہے
درد کیش درویش دیوو دلاسا
3۔ساتا سمک رونقِ رنگ مینا
قدح کیف قدرت سے بھرپور بھینا
عنایت کرو آب آتش لباسا
4۔ارغوان پیمان ساغر سوایا*
فلک نیلگوں نوع دیگر میں آیا
ہومخمور 'مصری' بھلا ایک ماسا

"کافی"

پیتم مت پردیس پدھارو رت ساون کی سانوریا

1۔ کالی گھٹا گھٹ رین اندھیری
برس ڈراوے بادریا

2۔ بار بار پیا بجلی چمکے
چڑھ کر چڑھ کر چنبریا

3۔ کوئل مور پپیہا بولے
دھوم مچے وچ دھادھریا

4۔ رہو ہمارے پاس پیر وا
پہن کسونبل کیسریا

---

*سوایا = ایک پیالہ سے زیادہ

5۔ 'مصری' ساتھ مقابل بیٹھو
من موہن بِل مندریا

شبد

مرلی سے مجھے موہ کے، جوگی جان لے گیو رے
کس دیس سے آیو

1۔ جوگی آیا کس گام کا، پایا پیچ زلف کے دام کا
سکھ صبر چین آرام کا، سامان لے گیو رے

2۔ کانوں میں کُنڈل پائے کے، کیسر تلک لگائے کے
کائی اُلٹی بین بجائے کے، سارا شان لے گیو رے

3۔ بالوں کا جوڑا کھول کے، کالے کیس کنگی سے پھول کے
ہنس ہنس کے باتیاں بول کے، گن گیان لے گیو رے

4۔ سامی آیا ہے ستگر، 'مصری' کون کر منتظر
خمدار مار خنجر، دھن دھیان لے گیو رے

شبد

الکھ اگم کوئی انت پاوے
لاکھ لکھینا کون لکھے رے

1۔ نام نرنجن بھیتر بھاسا جھنگل جوگی کانھ جکھے رے
2۔ سیوو ستگر سنت سدھ سے پر گھیٹو پربھو پاس پکھے رے
3۔ کرناٹک کوٹیسر کالی گھٹ میں گنگارام رکھے رے
4۔ گرچرن 'مصری' سیں اتارو کاسی کروت ایک اکھے رے

پیر بھاون علی شاہ 'ساقی'

(1305-1337ھ)

بہاون علی شاہ، درگاہ شاہ قادری (بدین، ضلع حیدرآباد) کے مشہور بزرگ پیر محمد شاہ کے فرزند تھے۔ سنہ 1305ھ /1886ء میں پیدا ہوئے۔ والد کے زیر نظر ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔ والد کی وفات (1900ء) کے بعد پیر بھاون علی شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور سندھی، فارسی اور عربی پڑھتے رہے۔ چودہ برس کی عمر میں اردو، گجراتی اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد حاصل کرلی۔

دین اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ شعر وادب سے شغف رہا۔ کتب بینی کا شوق تھا اور ایک اچھا خاص کتب خانہ جمع کیا۔ بزرگوں کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ایک فارسی بیاض تیار کی۔ اپنے خاندان کے حالات اردو میں لکھے۔ عین شباب میں سنہ 1337ھ (اکتوبر 1918ء) کو وفات پائی اور اپنے آبائی مقبرے میں دفن ہوئے۔

پیر بھاون علی شاہ 'ساقی' تخلص کرتے تھے۔ سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ درج ذیل ہے*۔

حضورِ داورِ محشر اکیلا جا کھڑا ہوں گا
بجز تیرے نہ ہوئے گا سہارا یا رسول اللہ

—

بتا اے مرغ دل تو نے کہاں اپنا وطن چھوڑا
نہ رستہ دشت میں پایا کہاں اپنا چمن چھوڑا
کہاں وہ باغ فردوسی کہاں وہ جنتِ الماویٰ

* محترم شیخ محمد سومار ساکن بدین نے ساقی کے کلام کو "ساقی جا سخن" کے نام سے اپنی تالیف میں جمع کیا ہے۔

کہاں وہ قصر ملکوتی کہاں ملک عدن چھوڑا
کہاں وہ آب انگوری کہاں وہ عنبریں ساغر
کہاں وہ نرگس شہلا کہاں مشک ختن چھوڑا

—

جمال یار جمال قمر نہ یکساں ہے
ہمارے دیدۂ گریاں ابر نہ یکساں ہے

■

میاں محمد یوسف علوی عرف میوں وڈل 'حیدری'

(1278؟-1338ھ؟)

مشہور ولی ابو ریحان سلطان غیاث الدین عرف 'شیخ ریحان' کی نسل سے بزرگ کامل محمد یوسف یوسفانی کی اولاد میں سے تھے۔ میاں یعقوب علوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ سنہ 1278ھ کے لگ بھگ قصبہ سعید پور (ضلع حیدرآباد) میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کی زیرِ نگرانی اچھی تعلیم پائی۔ طب کا خاص مطالعہ کیا اور اپنے دور کے کامیاب حکیم تھے۔ ساٹھ برس کی عمر میں قصبہ سعید پور میں ہی وفات پائی اور 'شیخ ریحان' کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

میاں محمد یوسف عرف میوں وڈل ایک حاذق حکیم، نکتہ سنج ادیب اور شاعر تھے۔ 'حیدری' تخلص کرتے تھے۔ قادری مشرف اور علوی نسب کے لحاظ سے خود کو 'علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری' لکھتے تھے۔ غلام محمد شاہ 'گدا' اور میر عبدالحسین 'سانگی' کے چھوٹے معاصرین میں سے تھے۔ دونوں سے 'حیدری' کی دوستی تھی۔ میر عبدالحسین 'سانگی' نے اپنی تالیف 'لطائف لطیفی' (حضرت شاہ عبداللطیف کے حالات زندگی) مندرجہ ذیل الفاظ میں 'حیدری' کو بطور ہدیتہ پیش کی۔

> امروز تاریخ دہم ماہ اگست 1891ء مطابق تاریخ چہارم ماہ محرم الحرام سنہ 1308ھ۔۔۔ این نسخہ تصنیف خودم 'لطائف لطیفی' بہ عالی شان رہنمای سالکان گزیدۂ درگاہِ عزّ و جّل میاں وڈل علوی القادری سعید پوری المتخلص "بہ 'حیدری' بہ یادگیری دادم"۔

'حیدری' بھی سانگی کے ثناخوان تھے۔ بقول غلام محمد شاہ 'گدا':

زمانہ میں کوئی بجز حیدری
کسی اور کے گیت گاتا نہیں

’حیدری‘ فارسی اور سندھی میں شعر کہتے تھے۔ شروع شروع میں فارسی کے ساتھ اردو مصرعے نظم کئے، مثلاً:

دوش فرمود مرا پیر خرابات بہ لطف
مئے کشوں میں جو تو مشہور ہوا خوب ہوا

’گدا‘ اور ’سانگی‘ کی صحبتوں میں ’حیدری‘ کا اردو میں شعر گوئی کا شوق بڑھا، اور انہوں نے اردو میں بہت کچھ کہا، جس کا کچھ حصہ ایک بیاض کی غزلیات سے انتخاب کر کے یہاں دے رہے ہیں:

خبر لے جلد اے دلبر کہ عاشق زار مرتا ہے
ہے جاں بر لب ترا بیمار بے دیدار مرتا ہے
جفا و جور لیلیٰ ہجر سے تیرے ارے ظالم
چکا اب پی جگر کا خوں وہ مجنوں وار مرتا ہے
ہوا ہے پشت خم عاشق گراں بارِ جدائی سے
نقاب رخ اٹھا کر دیکھ زیر بار مرتا ہے
شبِ تاریک فرقت میں چلا وہ دیکھنے تجھ کو
مگر کھا ٹھوکریں با روزنِ دیوار مرتا ہے
بکف سر لے بھٹکتا ہے تصور میں صنم تیرے
کیا اسیر نہ تونے لطف بے تیمار مرتا ہے
نگاہِ ناز سے جس کو کیا ہے نیم بسمل تو
ستمگر شوخ تیرے عشق کا بیمار مرتا ہے
لیا ہے جس نے راہ عاشقی اے ’حیدری‘ بیشک
خطر آوے نہ کچھ اس کو جو لے آزار مرتا ہے

—

صنم میرا مسیحائے زماں ہے
دوائے درد دل وہ جانِ جاں ہے
شتابی سے خبر لے جلد تو نے
جسے بسمل کیا وہ نیم جاں ہے
قدم سرکا نہیں سکتا ہوں یارو
بہت بوجھا جدائی کا گراں ہے
سراغ اس کا نہیں پایا کسی جا
نشاں اس کا تو مطلق بے نشاں ہے
نہیں خواہش ہے دل کو بوستاں کی
مرا سینہ رشک گلستان ہے
نہ تھا معلوم اوّل عاشقی میں
ابھی کا نفع آخر میں زیاں ہے
نہیں لیتا کوئی دل عاشقوں کی
مگر دزد حنا تو دزد جاں ہے

کدھر بھولے سجن کا نام مجھ سے
سدا جو 'حیدری' ورد زباں ہے

چہچہا ہے بلبلوں کا در گلستاں آج کل
پھر بہار آیا چمن میں ہے پرستاں آج کل
مطرب و ساقی مے و مینا بھی اب ہیں سب وہاں
بانگ نوشا نوش کے در صحنِ بُستاں آج کل
ان دنوں در گردش ساغر نہ کر ساقی درنگ
کیا خیر ہوگا نہ ہوگا جو ہے ساماں آج کل
عندلیب شوق یہ دیتی صدا ہے دم بدم
سب نکالو مے پرستو دل کے ارماں آج کل
غرق ہو در بحر عصیاں گرچہ تم اے 'حیدری'
تھام لے گا ہاتھ تیرا شیر یزداں آج کل

مچا ہے شور در گلشن کسو کا
لیا ہے خار گل دامن کسو کا
خدا سے ڈر جفا بلبل پہ مت کر

نہ ہو اے باغباں رہزن کسو کا
چمن کے سیر سے بیتاب ہے دل
مجھے بھاتا نہیں گلشن کسو کا
میں رویا ہوں ہلال ماہ نو دیکھ
جو آیا یاد ہے ناخن کسو کا
بیاباں میں بھٹکتا ہوں چو مجنوں
نہ لیلیٰ سا ملا مسکن کسو کا
جفا جو اب چلا کے تیغ ابرو
جدا سر سے کرے گا تن کسو کا
چلا کر تیر مژگاں شاہ خوباں
کیا آماج ہے مدفن کسو کا
زمانہ کو صدا رکھتا ہے تاباں
سراج سوز دل روشن کسو کا
ڈرے کیا' حیدری' مکر عدو سے
وہ خود ہوتا نہیں دشمن کسو کا

—

نہیں بھاتا ہے جز تیرے گلستاں کا صحن مجھکو
نظر آتا ہے خاروں سے سراسر ہر چمن مجھکو
خدارا رحم کر اے. مہ مدد کو جلد آ پہنچو
ستاتا ہے سدا بے فائدہ چرخ کہن مجھکو
مزے سے کس طرح بھر بھر کے جام وصل کو پیتے
اگر ملتا کہیں مہ رو ترا چاہِ ذقن مجھکو
پسند آتا نہیں ہے سیر بستاں کا مجھے بالکل
مرا وہ گلشن عالم میں بس ہے گلبدن مجھکو

مری ذلت سے اب آباد ہے وہ وادی مجنوں
دکھائے عشق تازہ نے یہ سب رنج کہن مجھکو
ستمگر عشق میں تیرے رہا گریہ کا یہ عالم
یہ ہے اشکوں سے دائم تربتر یہ پیرہن مجھکو
الا یا حیدری دنیا ہے سجن المومنین بیشک
و لیکن رشک جنت ہو، ملے گر آ سجن مجھکو

—

دیکھنا تاثیر کنعان کے تھا یوسف چاہ میں
مصر میں بیشک زلیخا بھی تھی اُس کے چاہ میں
یہ سخن انصاف کا ہے کون پائے گا کبھی
خاکساری کا مزا نخوت سے عالی جاہ میں
دیکھ میری جاں کنی کو کوہکن نے یوں کہا
میرے تیشہ سے اثر افزوں ہے تیری آہ میں

—

دلربا کوچے سے تیرے ہم تو فرقت لے چلے
ہاں در دولت سے تیرے اب یہ ذلت لے چلے
کوہکن سے وامق و فرہاد و مجنوں سے بھلا
وادی الفت میں ہم ان سب سے سبقت لے چلے
لیلیٰ و شیریں سے ہے وہ یار میرا وضعدار
قیس اور فرہاد دنیا سے خجالت لے چلے
عشق تیرا اے صنم اتنا ستاتا ہے کہ ہم
کفر اور اسلام کے بدلے میں وحشت لے چلے
گر نہیں محفل میں مجھکو اس نے بلوایا تو کیا
چوم کر خاک در دلدار، بہجت لے چلے

کیا نصیب اپنا ہے یارو کوچہ دلدار سے
دولتِ دیدار کے بدلے میں حسرت لے چلے
حیدری روز ازل سے آج تک با درد و غم
شکر ایزد عشق دلبر کا سلامت لے چلے

—

زلف کے دام کو دلبر جو دوتا کردیگا
طائرِ دل کو تو محبوس بلا کردیگا
تیغ ابرو سے اگر عاشق مضطر بچ جائے
خونِ دل اس کا یقیں دست حنا کردیگا
تیغ ابرو سے اگر قتل مجھے یار کرے
خوں بہاوے گا وہی خون بہا کردیگا
مست دل میرا نہ میخانہ سے ہوگا باہر
خدمت پیرِ مغاں صبح و مسا کردیگا
شعر میرا جو اگر دیکھے گا 'قاسم' صاحب
دفتر نظم کو اپنے وہ جلا کر دیگا
آپ فرماتے ہیں کیا مصرع دلکش میں مجھے
"لاڑ جاوے گا تو یاروں کو بھلا کردیگا"
خدمت اقدس و اعلیٰ میں رہوں گا دائم
در دولت سے نہ اللہ جدا کردیگا
میر ما 'عبد حسین خاں' تیرے الطاف یقین
جیتے جی 'حیدری' ہرگز نہ بھلا کردیگا

—

ہر سمت سے اب لالہ ہے مستوں کو بلاتا
لے ہاتھ میں پیمانہ عقار بسنتی

رندوں کا بھلا اوج نہ کیوں پہنچے فلک پر
باندھے ہے زرفشاں گلِ دستار بسنتی
اے ابر کرم کانِ عطا 'عبد حسینی'
موسم یہ مبارک ہو اے سردار بسنتی

—

ساقی کے سوا مے کا بھی پینا نہیں اچھا
بے یار کے جگ میں کبھی جینا نہیں اچھا
اے غنچہ دہن شوخ سمن بر مرے دلبر
کیا عطر سے تیرا ہے پسینا نہیں اچھا
ظاہر یہ غم فرقتِ دلبر کا نشاں ہے
زخم دل بے دل کو تو سینا نہیں اچھا
قسمت میں نہ جس کو ہو کبھی دوست کا دیدار
اس طرح کا تو دیدۂ بینا نہیں اچھا
اندوہ غم و یاس و الم اس میں ہیں موجود
تو کیا دل عاشق کا خزینا نہیں اچھا
اس خرقہء پشمینہ سے در ملتِ رنداں
ہاں مخمل و سنجاف و مرینا نہیں اچھا
دل میں نہ رکھ اے 'حیدری' تو خواہش دنیا
نیکوں کی تو صحبت میں کمینا نہیں اچھا

—

نہیں چلنے کی طاقت ہے فقط اٹھتا ہوں رہ رہ کر
یہ حالت ہو گئی پیارے تمہارے جو رسہہ سہہ کر
رخِ دلبر نہیں ہے چاند جو ہو ابر سے مخفی
نقاب اس پر رقیب روسیہ رکھتا ہے تہہ تہہ کر

پرندوں کو یہ حاصل حق سے ہے بہرہ محبت کا
گلوں پر بلبلوں نے کیا مچائے شور چہہ چہہ کر
یقیں ایجاد کی تعریف موجد کی ستائش ہے
میں مر جاؤں گا خوبوں کی مدامی مدح کہہ کہہ کر
رموز عشق بازی غیر پر کیوں کر عیاں ہوں گے
وہ خود سیمیں تنوں سے سیم کا خواہاں ہے رہ رہ کر
یقیں وہ منکر وحدت ہے جو قائل ہے کثرت کا
جو زاہد رکھتا ہے تسبیح کے سو دانے دہ دہ کر

امام علی خذمتگار

(1250؟-1315؟)

امام علی، امیران ٹالپور کے خذمتگار گھرانے میں سے تھا۔ خود میر عبدالحسین خان سانگی کی خذمت میں تھا۔ ادیب و شاعر تھا۔ سال 1301ھ میں میر عبدالحسین خان کے صاحبزادے ایزدیار خان کی ولادت پر یہ تاریخی قطعہ لکھا:

امیر زماں خسروِ دادگر — ہیں جن کے دعا گوی برنا و پیر
وہی میر عبدالحسین خان ہے — حسین و حسن جس کے ہیں دستگیر
خدا نے دیا اس کو فرزند نیک — ز لطف و عنایت بفضل کثیر
وہ شہزادہ ایزدِ یار خان — منور جبینش چو بدر منیر
الٰہی بحق نبی و علی — ہو بخشش فزوں اور عمرش کثیر
زہے بخت و اقبال و جاہ و حشم — مہ و سال دمساز میر ابن میر
نہ تھی فارسی میں مجھے دسترس — ثنا خواں بہ ہندی ہوا تب فقیر
نتیجہ یہ اس کا ہوا ہے عیاں — 'گدا' سے جو مجھکو ہے صحبت کثیر
'امام علی' سال تاریخ میں — گرفتہ چوں قافِ قلم عقل پیر
خرد نے کہا باسر حمد کہہ — "بود ایزدش یار و عمرش کبیر"

1301=(ق)100-1393+(ح)8

میرزا دوست محمد 'دوست'

(1279-1339ھ)

میرزا دوست محمد بن میرزا علی بخش سنہ 1279ھ / 1862ء میں محلہ 'ٹنڈو آغا' شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان پہلے خیرپور میں آباد تھا، بعد میں حیدرآباد کے ٹالپور حکمرانوں کی ایماء پر حیدرآباد منتقل ہو کر ٹنڈو آغا میں آبسا۔ ان کے والد، دادا اور پردادا امیرانِ سندھ کے معتمد خاص تھے۔

میرزا دوست محمد نے وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی۔ شاعرانہ ذوق پیدا ہوا تو اساتذہ کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ سندھی میں غلام محمد شاہ 'گدا' سے اصلاح لی اور اردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر عبدالحسین خان سانگی کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ میرزا دوست محمد 'دوست' نے 24 ستمبر 1920ء / 1339ھ کو وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان ٹنڈو آغا میں دفن ہوئے۔

ان کے خاندان مین زیادہ تر مرثیہ گو شاعر تھے، لیکن 'دوست' پہلے شاعر تھے جنہوں نے اس روایت سے منہ موڑ کر مرثیہ کے ساتھ ساتھ غزل کو بھی اپنایا۔ سندھی، فارسی اور اردو میں ان کا کلام موجود ہے۔ اردو کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

ہوں میں مشتاق اپنے دلبر کا
سرو قد گلبدن سمن بر کا
پیچ در پیچ زلف دلبر کا
رشک افزا ہے مشک اذفر کا
چرخِ بیداد نے ستایا بہت
حال آکے سنو تو مضطر کا

جس کے خاطر تسلیّ ہو اُس کو
نہیں معلوم حال مضطر کا
ہے صنم میرا اشرف المخلوق
برہمن کا خدا ہے پتھر کا
ہو مبارک رقیب کو دنیا
مجھے مطلوب وصل دلبر کا
گرچہ ظاہر ہیں زہد کے اسباب
دل ہے مشتاق ماہ پیکر کا
دل لگاتا ہوں شعلہ رویوں سے
ہم سبق میں بھی ہوں سمندر کا
بس کہ اس کا میں 'دوست' جانی ہوں
'دوستا' ہو جو عبد قنبر کا

—

بارک اللہ باغ میں بلبل ہے شاداں آجکل
پھر بہار آئی چمن میں گل ہے خنداں آجکل
شاخِ گل پر نغمہ زن کیونکر نہ ہو اب عندلیب
باغ میں باد بہاری ہے خراماں آجکل
ہے غضب، یہ کیا ستم اُس بے وفا نے کر دیا
وعدے پر آیا نہیں بیٹھے ہیں ہم یاں آجکل
دیر میں ساقی نے ساغر کو کیا لبریز مئے
منتظر بیٹھے ہیں ہم، اور در پہ درباں آجکل
وقت رخصت کے جو پوچھا ہم نے، کب آئینگے آپ
ہنس کے بولا، ہونگا جلدی تیرا مہماں آجکل
'دوستا' ہیں شعر گوئی میں یہ شاعر بے عدیل
میر صاحب اور گداشہ، حیدری، ہاں آجکل

—

جاتے ہی نرگس کو دیکھا میں نے حیراں باغ میں
یاد آئی مجھکو جس دم چشمِ جاناں باغ میں
چہچہے بلبل نے بھولے، پھول بھی خنداں نہ تھے
سرو، قمری، باغباں سب تھے ہراساں باغ میں
میرے گلرو کی ~ زلفیں شانے پر کھلتی رہیں
نازنیں کی زلف سے سنبل پریشاں باغ میں
زلف سے حیراں ہے سنبل حسن سے حیراں ہے گل
سرو قد گلرو ہمارا ہے خراماں باغ میں
'دوستا' اس شمع رو و شوخ سے ڈرتا نہیں
ہے جلاتا مجھکو اس کا سوزِ ہجراں باغ میں

—

میرے دلبر کے بال کالے ہیں — سر پہ دو سانپ گویا پالے ہیں
بال دلبر کے گرچہ کالے ہیں — طرہ اس پر ہے پیچ والے ہیں
لطف کرتا ہے گاہ گاہے ستم — ناز دلبر کے کیا نرالے ہیں
سیف ابرو کے ذکر کرنے پر — لگے عاشق کے دل پہ بھالے ہیں
آج گھر آئے لطف کر کے حبیب — میرے گھر کے جو وہ اُجالے ہیں
جب بہار آئی صحن گلشن میں — دل کو دیکھا تو زخم آلے ہیں
غم و اندوہ و یاس و حسرت سے — پڑے عاشق کے دل میں چھالے ہیں
میرا استاد سخن سنج "گدا" — شعر کے طفل اس نے پالے ہیں
"حیدری" کے سخن ہیں لاثانی — شعر ایسے دیکھے بھالے ہیں

"دوستا" یہ سیاہی کیسی ہے
مہر و مہ پر نقاب ڈالے ہیں

—

جسی دن سے مرا دلبر جدا ہے
اُسی دن سے طبیعت بے مزا ہے
کہوں کس سے جدائی کی حقیقت
کوئی مونس نہیں نے دلربا ہے
ہوئے ہو کیوں خفا اتنا تو ظالم
کرو ثابت ہماری کیا خطا ہے
قتل کر تیغ ابرو سے اے خوش رو (1)
مسافر بے وطن کی یہ سزا ہے
کبھی وعدہ وفائی کی نہ ہم سے
جہاں میں مشتہر وہ بے وفا ہے
سوالِ 'دوست' ہرگز رد نہ کر یار
یہ بیکس بھی ترے در کا گدا ہے

(1) قتل (سندھی لب ولہجہ)

میر عبدالحسین 'سانگی'

(1268-1342ھ)

ہزہائینیس میر عبدالحسین خان بن میر عباس علی خان بن میر محمد نصیر خان ٹالپور کلکتہ میں قید فرنگ کے زمانے میں سنہ 1268ھ / 1851ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ایک انگریز خاتون تھیں۔ سنہ 1863ء میں بارہ سال کی عمر میں کلکتہ سے رہا ہو کر اپنے چچا[1] میر محمد حسین علی خان کے ساتھ واپس سندھ آئے۔ کلکتہ میں انہوں نے فارسی کی تعلیم میرزا حسن علی عرف میرزا بزرگ المتخلص 'باوفا' سے حاصل کی۔ سندھ واپس پہنچنے کے بعد فارسی میں آخوند احمد بن عبدالعلیم ساوئی ہالائی سے، اردو میں مولوی ابوالحسن بن مولوی مہدی حسن لکھنوی سے اور سندھی میں غلام محمد شاہ گدا سے اپنے کلام میں اصلاح لی۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر فرسٹ کلاس اسپیشل مئجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز رہے۔ سندھی میں "سانگی" اور اردو و فارسی میں "عبدالحسین" تخلص کرتے تھے۔

سانگی ایک فاضل، شاعر و ادیب تھے۔ چونکہ موسیقی سے بے پناہ شغف تھا، اس لیے سب سے پہلے 'کافیاں' کہیں، جو "سوز سانگی" کے نام سے مرتب ہوئیں۔ یہ مجموعہ اب ناپید ہے۔ سنہ 1904ء تک اُن کے دو دیوان شایع ہوئے۔ تیسرے دیوان کو 1908ء میں مرتّب کیا۔ یہ تینوں دیوان ان کی کلیات میں شامل ہیں جس کو راقم نے مرتب کیا ہے[2]۔ سانگی نثّار بھی تھے۔ سندھی میں ان کے لکھے ہوئے چھ افسانے 1904ء میں چھپ کر شایع ہوئے۔

سانگی کو حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سے بے حد عقیدت اور محبت تھی، اس

---

[1] یعنی والد کے چچازاد بھائی

[2] 'کلیات سانگی'، سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے حال ہی (1389ھ / 1969ء) میں شایع ہو چکی ہے۔

لیے انہوں نے "شاہ جو رسالو" کے نسخے نقل کروائے اور خود بھی نقل کیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شاہ عبداللطیف کی سوانح کے متعلق روایتیں فارسی کتاب "لطائف لطیفی" نامی میں جمع کیں۔ یہ کتاب 10 ذوالقعد 1305ھ / 19۔ جولائی 1888ء کو مکمل ہوئی۔ راقم نے اس کو مرتب کیا ہے اور 1967ء میں "بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کمیٹی" کی طرف سے شایع ہو چکی ہے۔

'سانگی' کا دور سندھی شاعری کا زرین دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں سانگی کے یہاں سندھی مشاعروں کی ابتدا ہوئی۔ غلام محمد شاہ گدا، سید غلام مرتضیٰ مرتضائی، میوں وڈل حیدری، فضل محمد ماتم، میرزا قلیچ بیگ 'قلیچ'، میرزا دوست محمد دوست، سید محمد فاضل شاہ فاضل، آخوند لطف اللہ، آقا میرزا محمد حسن شیرازی ناخدا، مرزا محمد تقی 'تائب' قندھاری اور مولانا ابوالحسن لکھنوی ان کے مصاحبین میں سے تھے۔ اسی دور میں ان بزرگوں کے ذوق نے اردو شاعری کو بھی فروغ دیا۔ سانگی نے سنہ 1342ھ / 1924ء میں وفات پائی اور روضہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے قرب میں دفن ہوئے۔

سانگی سرزمین سندھ کے باکمال سخنور ہیں، جنہوں نے سندھی ادب کو قدیم رجحانات، پرانے خیالات اور فرسودہ مضامین کی بجائے جدید رجحانات، اچھوتے خیالات اور نئے مضامین عطا کیے۔ سانگی سندھی، اردو، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے۔ ان کی 'کلیات' میں ان کی 54 اردو غزلیں اور ایک منظوم خط شامل ہے۔ اردو کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو:

جب پریشان صنم زلف دوتا کردیگا
دلِ دیوانہ کو زنجیر بپا کردیگا
کب ضرورت مجھے مسجد کی رہے گی کہ خدا
ابروئے یار کو محرابِ دعا کردیگا
کیا ضرورت ہے چراغوں کی اگر یار آیا
رخِ پرُنور سے اس گھر میں ضیا کردیگا
چشم تر ابر ہے میرا تو دہن ہے طوفان

آہ کے دم سے رقیبوں کو ہوا کردیگا
کس کو معلوم تھا دلدار جو جادو کر کے
پیچ کر کاکل پیچاں کو بلا کردیگا
'حیدری' سے نہ تھی اس طرح کی اُمید کبھی [1]
'لاڑ' جاوے گا تو یاروں کو بھلا کردیگا [2]
رہ گیا ہوگا جو مضمون کوئی مجھ سے مخفی
برملا اس کو یقین 'شاہ گدا' کردیگا [3]
لطف اپنے سے بھلا عبد حسینا تیرا
ہو نہ سکتا ہے جو تجھ سے، خدا کردیگا

—

مشہور اپنا نام تو مستانہ ہوگیا
اپنے جنوں کا خلق میں افسانہ ہوگیا
نظروں میں سب طرف مری ویرانہ ہوگیا
تب رہ گئے وہاں جہاں میخانہ ہوگیا
غفلت سے اُس صنم کے تصور میں گر کبھی
مسجد میں جا کے بیٹھے تو بت خانہ ہوگیا
اک نوجواں کی یاد میں کرتا ہوں مے کشی
پیرانہ سر میں خواہش طفلانہ ہوگیا
خالِ سیہ کا رخ پہ ترے خیلی خوشنما
دانا جو دیکھا دانا بھی دیوانہ ہوگیا
دندانِ آبدار سجن کے خیال میں
جو قطرہ اشک کا گرا دردانہ ہوگیا

—

[1] میوں وڈل حیدری کی طرف اشارہ [2] لاڑ= سندھ کا جنوبی علاقہ [3] غلام محمد شاہ گدا کی طرف اشارہ

اپنا دلدار سے غرض مطلب
نہیں اغیار سے غرض مطلب
دل کا سودا لگا ہے یوسف سے
نہیں بازار سے غرض مطلب
بام پر چڑھ کے رخ دکھا دلبر
اپنا دیدار سے غرض مطلب
نہیں زاہد سے مجھکو خوف و رجا
جب رہا یار سے غرض مطلب
خال ہندو سے دل لگا اپنا
اب ہے زنّار سے غرض مطلب
یا امام بحق سدا اپنا
تیری سرکار سے غرض مطلب
میں ہوں عبدالحسین اے زاہد
کیا مجھے نار سے غرض مطلب

—

زلفِ دلبر کا ہے جو کالا سانپ
وہ تو میرا ہے ہاتھ پالا سانپ
زلفِ دلبر کا زہر والا سانپ
کیا ہی مشّاطہ نے سنبھالا سانپ
زلف دلبر کا ہے نکیں بر گنج
رخ دلدار کے ہے بالا سانپ
کیا صانع نے سانچہء قدرت
زلف کا مشک سے ہے ڈھالا سانپ
کاٹ لیتا وجود سے دل کو

زلف کا سب سے نرالا ہے سانپ
لیکے عبدالحسین کا کلِ یار
اپنی گردن میں آپ ڈالا سانپ

—

اُس کی پروا نہ کرے میری بلا میرے بعد
کہ اُلٹ جائے زمانے کی ہوا میرے بعد
لطف کرنا ہے تو کرلے اسے پیارے ورنہ
میرا کیا گر نہ کرے مہر و وفا میرے بعد
جب نہ مجنوں ہے نہ وامق ہے نہ قیس و فرہاد
کون اُٹھائے گا محبت کا لوا میرے بعد
خون میرے کا پتا تجھ سے ملے گا آخر
رنگ لائے گا ترا رنگِ حنا میرے بعد
کس کو دکھلاؤ گے اے یار کرشمہ کر کے
کون دیکھے گا ترے ناز و ادا میرے بعد
حق سے مجھکو ہے ملا عبد حسینی کا خطاب
نام میرے سے ہوئی میری شفا میرے بعد

—

سکھایا میں نے ہے نازنینوں کو بیوفائی وفا وفا کر
پھرایا مجھکو ہے راستے سے بتوں نے بانکی ادا ادا کر
خطا کا بانی ہے تیرا خاطی تو اپنے لائق عطا عطا کر
ہوا ہوں تیری عطا کا باعث اے میرے خالق خطا خطا کر
غلام اپنے تھے بخت و دولت، کیا ہے آزاد ان کو میں نے
بجاتے ہیں جو طبل سلاطیں میں اس کو چھوڑا بجا بجا کر
بدستِ معشوق رہتی مفتوں ہے بعد مردن بھی دیکھ زاہد

لگایا ہاتھوں پہ خونِ عاشق ہے نازنیں نے حنا حنا کر
دکھا کے دانا جو خال مشکین ہے لعل رخسار نازنیں پر
کیا مقیّد ہے مرغِ دل کو بدام کاکل پھنسا پھنسا کر
کمند زلفِ سیہ میں مہرو کے پھر نہ پھنسنے کی آرزو ہے
چھٹی ہے جاں اب تو عاشقی سے بوقتِ پیری خدا خدا کر
یقین عبدالحسین ہوں میں نہیں صعوبات سے ہوں خائف
کرے گا کیا اب رقیب رہزن یزید صورت جفا جفا کر

—

نہ ہوا مہربان یار ہنوز
رہا اپنا وہ حالِ زار ہنوز
کیا کروں میں شراب کو کہ مجھے
چشمِ ساقی سے ہے خمار ہنوز
میرے بالوں میں اب پڑا کافور
زلفِ دلبر ہے مشکبار ہنوز
میں ہوں عبدالحسین اے زاہد
غمِ شہدا میں داغدار ہنوز

—

مفلس ہوتا ہے امتحاں میں نراس
پاس پیسہ ہے جس کے وہ ہے پاس
ہے زمانہ مرا بڑا دشمن
ہو مددگار حضرت عباس
ہوں حوادث ہزار فکر نہیں
مرد کو چاہیے نہ ہرگز یاس
دشمنوں نے کیا نہیں ہرگز

دوستوں نے کیا ہے دل کو اداس
کس نے آکر نہیں کیا معلوم
کون ہے بھگوان کون ہے یاں داس
میں ہوں عبدالحسین اے زاہد
کس طرح کا نہیں تجھے وسواس

—

یار کے رخسار پر اب نکل آیا ہے خط
عاشقوں کے قتل کا اس نے یہ پایا ہے خط
یار کے رخسار پر خال کے دانے کو دیکھ
طائرِ دل کے لئے دام بنایا ہے خط
نام لے قاصد مرا پوچھے دل آرام گر
خون دلِ زار سے کس نے لگایا ہے خط
خط کا جو چاہا جواب میں نے دل آرام سے
شوخ کہا شوخ ہو کس نے پڑھایا ہے خط
ذبح کبوتر کو کر پھینک دیا یار نے
بال میں عاشق کا باندھ کا ہے کو لایا ہے خط
فکر ز روز جزا کیا کرے عبدالحسین
حق سے رہائی کا جب اس نے تو پایا ہے خط

—

سناؤں کس کو میں اب اپنی داستانِ فراق
گرا ہے سر پہ مرے آکے آسمانِ فراق
کہیں ہے مست کہ رہتا ہے لامکان فراق
میں جاکے لاؤنگا لاہوت سے نشانِ فراق
نہیں ہے عقلِ معیشت کو اس سے کچھ نسبت

زباں کو کب ہے بھلا طاقتِ بیانِ فراق
یہ دیکھ کیسے مزے کا طعام کھاتا ہے
شرابِ خونِ جگر، لختِ دل ہے نانِ فراق
میں دیکھ آوٗنگا دلبر کا چاند سا مکھڑا
گر آسمان تلک اوٹھ جاوے نردبانِ فراق
ابھی فراق زمانے میں مفت رہتا ہے
رہا نہ جب کوئی باقی ہے ہم زبانِ فراق
وصالِ یار تو خلدِ بریں ہے اے زاہد
سنا جو تونے ہے دوزخ وہ بے گمان فراق
لیا ہے عبد حسینی کو گھیر پیری نے
ہوا ہے یارو ابھی اس کا نوجوان فراق

—

پیر وجواں ز اہل جہاں ہیں جہاں تلک
سب مہربان اپنے ہیں نا مہرباں تلک
لالے چھپا کے سبزی دکھاتا ہے برگ بھی
پاس بتاں تو سب کو ہے منظوریاں تلک
باندھے پڑے ہیں اب رسن خام میں تو کیا
لاتے تھے باندھ کر کبھی شیر ژیاں تلک
آتا نہیں ہے دل پہ مرے دھیان اور کا
وابستہ ہے خیال خیالِ بتاں تلک
خورشید تب ہے جب وہ کرے ذرہ پروری
ورنہ شعاع شمع کو ہے بھی زباں تلک
عبدالحسین شیر خدا شاہ لافتیٰ
حامی رہے گا تیرا جہاں میں جناں تلک

—

ہے شرم جو گلرو ہو مرا گل کے مقابل
یا مجھ سا غزلخوان ہو بلبل کے مقابل
نسبت ہو رقیبوں کے تئیں کون سی مجھ سے
ہو گا خر عیسیٰ کبھی دلدل کے مقابل
سب اہلِ خرد اس کو تو دیوانہ سمجھتے
جو بھنگ کے کاسہ کو کرے ہل کے مقابل
ہو ناک میں وہ جس سے رگِ جاں ہو معطر
کیا مشک کی خوشبو چلے کاکل کے مقابل
بے قدر ہے بے خواستہ جو وصف بتوں میں
شاعر جو کرے زلف کو سنبل کے مقابل
میں عبد حسینی ہوں کبھی خوف کے مارے
تکیہ کو کروں گا نہ توکل کے مقابل

—

قابلِ دیدار ہے سیر گلستان آج کل
کر رہے ہیں چہچہے مرغِ خوش الحاں آج کل
طائرِ دل اب نہ کیونکر ہو گرفتارِ بلا
دام والے زلفِ پیچاں ہیں پریشاں آج کل
حسن روز افزوں کو تیرے دیکھ کر اے مہ لقا
ہے خیالِ روئے میں آئینہ حیراں آج کل
یا خدا اس گلبدن سے کب میں ہوں گا ہمنوا
جس کی خاطر مثلِ بلبل ہوں میں نالاں آج کل
تیری چوٹی کے ستارے کی چمک کو دیکھ کر
ذرّہ سا شرمندہ ہے خورشیدِ رخشاں آج کل

دہر میں عبدالحسینی ہر طرح کھیلے شکار
اب نہ کچھ باقی رہا ہے دل میں ارماں آج کل

—

شمع کافور سے پگھلتے ہیں اپنی آتش میں آپ جلتے ہیں
دن کو چڑھتے شرارے آہوں کے رات کو تارے وہ نکلتے ہیں
یہ نہ ہے شعر یادِ گیسو میں یار کے زہر ہم اُگلتے ہیں
عاشقوں کے ہلاک کی خاطر زلف دلبر چو مار پلتے ہیں
یاد کر کر کے تیرے دستِ حنا کف افسوس ہم تو ملتے ہیں
ایک دن پھر کے کوئے جاناں میں جائینگے روز یوں سنبھلتے ہیں
مل کہیں جائے کوئی صاحبِ دل اسی امید پر ہی چلتے ہیں
شکوہ آسماں کروں نہ کروں سر نوشتے بھی گاہ ٹلتے ہیں
سن کے عبدالحسین میری غزل
وجد میں سب درخت ہلتے ہیں

—

دشت آوارگی میں جانا ہے
ان دنوں اپنا دل دیوانا ہے
بلبلوں سے کہو کہاں ہے بہار
بے وفا دیکھ یہ زمانا ہے
دانہء خالِ دلفریب کو دیکھ
دل کو دیتا ہے جو کہ دانا ہے
سن کے میری غزل کہیں گے لوگ
یہ عجب طرح کا ترانہ ہے
ہیں جہاں ساقی و مے و مطرب

اپنا زاہد وہاں ٹھکانا ہے
ہے عبث گلرخوں کو دل دینا
اپنی خاطر میں خار کھانا ہے
اب ہے عبدالحسین وقتِ نشاط
کوئے جاناں میں آج جانا ہے

■

میرزا قلیچ بیگ "قلیچ"

(1270-1348ھ)

میرزا قلیچ بیگ بن میرزا فریدون بیگ سنہ 1270ھ / 1853ء میں حیدرآباد کی نواحی بستی 'ٹنڈو ٹھوڑو' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بستی کے ایک مکتب میں آخوند شفیع محمد سے حاصل کی۔ عربی اور فارسی قاضی احمد متعلوی سے پڑھی۔ کچھ عرصہ اینگلو ورنیکولر اسکول میں پڑھنے کے بعد گورنمینٹ ہائی اسکول حیدرآباد میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بمبئی کے ایلفنسٹن کالج میں حصول تعلیم کے لیے گئے، جہاں پر پروفیسر میرزا حیرت کی نگرانی اور صحبت میں تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تصوف کی لگن بھی پیدا ہوگئی۔ میرزا حیرت کی سفارش پر وہ کالج کے 'فیلو' مقرر ہوگئے۔

فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن واپس آئے۔ تحصیلداری (ہایر) کا امتحان پاس کرنے کے بعد تحصیلدار ہوئے۔ سنہ 1909ء میں تیس برس کی ملازمت کے بعد پچپن سال کی عمر میں ڈپٹی کلیکٹری کے عہدے سے پینشن حاصل کی۔

اگرچہ آپ کی زندگی کے تیس سال ملازمت میں گذرے، تاہم علم و ادب سے آپ کو جو شغف تھا وہ کم نہ ہوا۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ ان کے علمی اور ادبی خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ نے انہیں 'شمس العلماء' کا خطاب اور 'قیصر ہند' کا تمغہ دیا۔

میرزا قلیچ بیگ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف، مترجم اور مؤلف ہیں۔ ڈرامہ، ناول، مقالات، تاریخ، لغت، فلسفہ، تعلیم، سائنس، طب، تصوف، سوانح غرضیکہ ہر موضوع پر قلم اٹھایا، اور سندھی میں اکثر علوم پر کتابیں مرتب کر کے تعلیمی ضروریات کو پورا کیا۔

میرزا موصوف نے 3۔ جولائی سنہ 1929ء کو 77 سال کی عمر میں حیدرآباد میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

میرزا قلیچ بیگ کو اوائل عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ 'قلیچ' تخلص کرتے تھے۔ اور فارسی، سندھی، سرائیکی میں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ترکی میں بھی اشعار کہے۔ ان کی تالیف "سودائے خام" میں ان کا اردو کلام کافی موجود ہے جس میں سے انتخاب درج ذیل ہے۔

جور خوباں ہے مجھے ہر دم وہر باب پسند
خواہ ہو تیر نگہ خواہ ہوئے زلف کمند

اے صنم تیری تمنا میں رہا عمر تلک
آتش ہجر میں جلتا ہے جگر مثل سپند

تیرے آگے بخدا ہے نہ مسیحا کی مجال
لاکھ مردوں کو جِلاتا ہے ترا شکر خند

گر جگہ پاؤں تری زلف چلیپا کے اوپر
پل میں ہو جاؤں میں منصور سے صد بار بلند

میں نہ چھوڑوں گا ترے عشق کا پیچھا ہرگز
عمر بھر لوگ اگر ڈالیں مرے گوش میں پند

سیل خوں گرچہ ہے ہر عضو سے میرے جاری
باز آتا نہیں ظالم ز سر ظلم و گزند

کیا عجب شعر لکھا شاعر شیریں گفتار
جس کے ہر لفظ سے آتا ہے سواد گل قند

وائے جلاّد تری دشنہء مژگاں از بس
کرتی ہے میرے جدا مثل قلم بند سے بند

کیا لکھوں ذکر ترا سنگدل و کافر کش
زار کرتا ہے زبوں سب کو ترا فکر اور فند

بے مروت ہے 'قلیچ' ایسی بری باتوں سے
یار کے حق میں بھلا اتنی شکایت تا چند

—

ترے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں
محبت تری جابجا چاہتا ہوں
نہ شاہی وزیری سے مطلب ہے میرا
ترے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں
نسیم بہشتی نہ بھاتی ہے دل کو
میں تیری گلی کی ہوا چاہتا ہوں
ترے ہجر میں عمر گذری ہے ساری
ذرا ساتھ تیرے ملا چاہتا ہوں
ترے تیر مژگاں کیا زخم دل میں
ترے لعل لب سے دوا چاہتا ہوں
مجھے آتی لذت نہ جینے میں جانی
ترے درد غم میں موا چاہتا ہوں
خدا سے تری خیر کا ہوں میں سائل
فقط سر پہ اپنے بلا چاہتا ہوں
قلیچ اس جہاں میں غرض ہے نہ کس سے
خدا چاہتا ہوں خدا چاہتا ہوں

—

دیدۂ مست اُٹھایا نہ کرو فتنۂ خفتہ جگایا نہ کرو
گالیاں دیتے ہو کیوں اے ظالم بے دلوں کو تو ستایا نہ کرو
خون ہوتا ہے جگر عاشق کا لب کو لالی تو لگایا نہ کرو
سارے عالم میں ہوا اندھیارا شمع عارض کو چھپایا نہ کرو

خنجر و تیر چلا جاتا ہے آنکھ سے آنکھ لڑایا نہ کرو
غیرت آئی ہے مجھے بے غایت مردم عام میں جایا نہ کرو
چھوڑدو ناز و ادا اے کافر راہ اسلام بھلایا نہ کرو
منتظر ہوں میں ترے آنے کا وعدہ وصل پھرایا نہ کرو
خال پر زلف بنا رکھتے ہو طائرِ دل کو پھنسایا نہ کرو
جھوٹ کہتا ہے تجھے جھوٹا رقیب ہر سخن گوش میں لایا نہ کرو
آتشِ ہجر میں جلتا ہے 'قلیچ'
پھر دوبار اس کو جلایا نہ کرو

—

میں تیرے ہجر میں مرتا ذرا دیکھو تو سہی
اُٹھایا جان پہ رنج و بلا دیکھو تو سہی
میں تیرے وصل کی اُمید قطع کی مطلق
یقین بوسہ نہ دوگے بھلا دیکھو تو سہی
لگائی تیغ نگہ تونے کیسی اے قاتل
ہزار زخم جگر پر کیا دیکھو تو سہی
عجب یہ ظلم کہ ہنس ہنس کے خون عاشق کو
لگاتا ہاتھوں کو مثل حنا دیکھو تو سہی
دو چشم مست تو انداخت فتنہ در عالم
بلحظہء شدہ محشر بپا دیکھو تو سہی
ذرا تو صلح و صفا کر کہ تیرے غصے نے
جلایا آگ میں ارض و سما دیکھو تو سہی
مریض عشق ترا ہے پڑا بحالِ تباہ
نہ دل نہ دوست نہ دم نے دوا دیکھو تو سہی

سناؤ میں نے تری کی ہے کیا خطا اے شیخ
عبث تو ہوتا ہے مجھ سے خفا دیکھو تو سہی
'قلیچ' جور و جفا سے نہ ڈر رقیبوں کے
خراب اُن کو کریگا خدا دیکھو تو سہی

—

لالہ رخا سمن برا سرو قدا تو کون ہے
سنگدلا ستمگرا ماہ وشا تو کون ہے
دیکھتے ہی تجھے مرے عقل و حواس اُڑ گئے
صبر و قرار دین و دل جملہ گیا تو کون ہے
تیغ نگہ سے اے سجن تو نے کیا جہاں کو قتل
حور، پری ہے یا ملک، سچ تو بتا تو کون ہے
میں نے کی عرض جب اُسے بوسہ دو تلخ کام ہوں
ناز و ادا سے ہنس کے وہ کہنے لگا تو کون ہے
ظلم و ستم ترا صنم سہتا ہزار دل سے میں
اے کہ لذیذ ہے ترا جور و جفا تو کون ہے
تیری تجلی سے ہوئی روح 'قلیچ' کالعدم
ہستی سے ہوں میں بے خبر بہر خدا تو کون ہے

—

فریاد فلک پر ہے تری تیغ نظر سے
رنجور ہے نرگس تری چشموں کے اثر سے
یاقوت خجل تیرے لبِ لعل کے آگے
دل خون ہے لالہ کا ہمہ داغ جگر سے
واری ہوں میں سو جان سے ہر ایک قدم پر
آتا ہے نکل ماہ منوّر جبھی گھر سے

جب دیکھتا ہوں عارضِ روشن ترا جانی
یاد آتا ہے اک پل میں مجھے شمس و قمر سے
اے شوخ مرے قتل کے شائق ہو تو آؤ
راحت مجھے آئیگی ترے تیغ و تبر سے
دل سے نہ مٹادونگا کبھی تیری محبت
شمشیر دو سر جائے نکل گر مرے سر سے
یکرنگ ترے عشق میں ہر دم ہوں اگرچہ
رگ رگ مری ہلتی ہے ترے ظلم و قہر سے
پیوند نہ ٹوٹے گا ترا مرگ سے میرے
آواز ترے نام کا آئیگا قبر سے
راضی ہے صنم میرا 'قلیچ' ایسی غزل پر
کمتر نہیں قیمت میں کبھی درّ و گھر سے

قتل کو عاشقوں کے اک مژہ کا تیر کافی ہے
دلِ دیوانہ کو اک زلف کا زنجیر کافی ہے
چلے ہو صید کرنے کو کٹاری ہاتھ میں لے کر
لگادو یہ جگر میرا تجھے نخچیر کافی ہے
قسم ہے گر مجھے ہووے ہوس کچھ اور چیزوں کا
ترے کوچے کی خاک اے جاں مجھے اکسیر کافی ہے
جسی کو شوق کامل ہے بقائے نور اللہ کا
زیارت کے لئے اس کو تری تصویر کافی ہے
خدا کے واسطے ناصح زباں کو تھام لے اپنی
نہیں مجھکو غرض کس کی مجھے یہ پیر کافی ہے
خیالِ خام ہے سر میں مجھے معراج پانے کا

شہید عشق جاناں کو سر شمشیر کافی ہے
خدا جانے صبح تا شام واعظ کیا بہکتا ہے
دلِ بینا کو تیری چشم کا تفسیر کافی ہے
کہو مطرب کو اُٹھے اپنے سازوں کو جلادیوے
تیرے شیریں دہن سے اے سجن تقریر کافی ہے
'قلیچ' اعدا کی کچھ پروا نہیں گر سیکڑوں آویں
مدد کرنے کو تیرے شبّر و شبیّر کافی ہے

—

تو نے لوٹا ہے دل دغا کر کے	تجھ کو رہتا تھا میں دعا کر کے
مارنا جب تھا اے مسیحا دم	کیوں جلایا مجھے دوا کر کے
غمزہ ہے تیرا معجزہ سے نہ کم	دیتا دم میں بقا فنا کر کے
بندہ تیرا ہی ہے 'قلیچ' اگرچہ	تو نے چھوڑا اسے رہا کر کے

—

ہیں ہم صوفی سب کو بلاتے رہینگے
اور ایک دوسرے سے ملاتے رہینگے
اخوّت دکھائینگے اور آدمیّت
صفت صلح کل کی بھی گاتے رہینگے
رہینگے جسی قوم و ملت میں اس میں
صداقت کا ڈنکا بجاتے رہینگے...
کبھی بتکدہ میں کبھی میکدہ میں
مغوں کو کھلاتے پلاتے رہینگے
نہ پائینگے گر دیر و مسجد میں جانی
تو ہم در کا حلقہ ہلاتے رہینگے
سنا کر سبھونکو فسانے عجائب

یہ نوبت ہنساتے رلاتے رہینگے...
'قلیچ' ایسے ہمدم ملیں گر تو ان کو
تصوف کے نکتے سناتے رہینگے

—

یا رب مرا وہ یار یگانہ کب آئیگا
پھر عیش اور خوشی کا زمانہ کب آئیگا
اُٹھا ہے شور سینے میں آئی ہے جاں بلب
مرتا ہوں میں مسیح سیانا کب آئیگا
مدت سے ہے قفس میں مرا مرغ دل اسیر
ہے تلملاتا، آب اور دانا کب آئیگا
تنہائی میں رہا نہ کوئی شغل اے 'قلیچ'
گانا کب آئیگا کہ بجانا کب آئیگا

—

عاشقوں سے اے صنم اتنی جدائی تابکے
آشناؤں کے لیے نا آشنائی تابکے
اے کہ گاہے برمن مسکین نہ کردی یک نظر
با وفادارانِ خود ایں بیوفائی تابکے
جب ترے ناز و ادا کا خود بخود کشتہ ہوں میں
خنجر و شمشیر سے ناحق لڑائی تابکے
حسن گل کی پایداری اک نفس باقی نہیں
آخر اے بلبل تری نغمہ سرائی تابکے
میں نہیں دم مارتا ہوں شاعری کا اے 'قلیچ'
شاعروں کے ساتھ پھر طبع آزمائی تابکے

—

کیا ضرورت عاشقوں کو عشق کے اظہار کی
زرد روئی بس ہے سرخی دیدۂ خونبار کی
مرغِ بسمل سے بھی جا کر پوچھو تم دل کی تپش
آہ بھی ان کی اثر رکھتی سقر کے نار کی
لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہیں
چشم موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی
یار کی الفت میں ایسا محو رہتا ہے 'قلیچ'
ہوش اپنا ہے نہ اس کو نے خبر اغیار کی

رباعی

جو فیض کا جگ کے علم پڑھتا جاتا
دنیا میں عروج پر وہ چڑھتا جاتا
سُکھ خلق کا چاہو، دیکھو تم بڑ کا جھاڑ
ہوتا ہے بڑا اور بھی بڑھتا جاتا

■

میرزا مدد علی بیگ مدد
(1301-1351ھ)

میرزا مدد علی بیگ ولد میرزا نور محمد بیگ، ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں 1301ھ / 1883ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے زمانے کے دستور کے مطابق اچھی تعلیم پائی اور سندھی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت حاصل کی۔

میرزا صاحب سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ ہندوستان اور ایران کی سیاحت کی۔ 1921ء میں آپ کی زیر ادارت ایک علمی رسالہ "صراط المستقیم" جاری ہوا۔ آپ نے سندھی زبان میں چند ناول بھی لکھے، جن میں سے "چین جو شہزادو" (دو جلد)، "عقل چرخ" (دو جلد)، "انار کلی"، "سیف الملوک" شایع ہوئے۔ فن طب پر بھی آپ کے چند کتابچے شایع ہوئے تھے۔

میرزا صاحب نے 1351ھ / 1931ء میں وفات پائی اور شہر حیدرآباد میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

میرزا مدد علی بیگ 'مدد' تخلص کرتے تھے۔ قطعہ تاریخ لکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ 'مدد' کا کلام فارسی، سندھی اور اُردو میں موجود ہے اور اس کا بیشتر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ اردو سلاموں کا مجموعہ سنہ 1912ء میں شایع ہوا۔ 'مدد' کے اردو کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

قومی نظم

اے قوم تجھ پہ گر ہیں فدا ہم تو ہے روا
آنکھوں پہ اپنی تجھکو بٹھائیں تو ہے بجا
احسان تونے ہم پہ کیا آج اس قدر

ممکن نہیں کہ شکر ترا ہم سے ہو ادا
دیکھا گیا نہ تجھ سے ہمارا غم و الم
آئے ہمارے درد کی کرنے یہاں دوا
وہ شمع جس سے ہند میں پھیلا تھا نورِ دین
روشن ہوئی تھی پہلے جہاں، ہے یہی وہ جا[1]
سرچشمۂ علوم کبھی تھی جو سر زمین
جس میں کمال و فضل کا دریا تھا بہہ رہا
صد حیف آج اُس میں جہالت کا دور ہے
ایسا نہیں کوئی جو ہمارا ہو پیشوا
گرداب میں ہماری ترقی کا ہے جہاز
اور اس پہ طرّہ یہ کہ نہیں کوئی نا خدا
کم ہمّتی کو زور، شجاعت کو ضعف ہے
جرأت رہی نہ پہلی سی اب اور نہ حوصلا
افسوس در پہ غیر کے ہم بات بات پر
پھرتے ہیں کھاتے ٹھوکریں، یہ حال ہوگیا
اک دن وہ تھا عنانِ حکومت تھی ہاتھ میں
اک دن یہ ہے کہ ہم کو نہیں کوئی پوچھتا
اے قوم! چاہیں کس سے مدد ہم، بتا تو ہی
ہم بیکسوں کا تیرے سوا کیا ہے آسرا
حالت ہماری تجھ پہ ہویدا ہو کس طرح
اخباریاں ہماری نہیں کوئی مطلقا
لازم ہے اب ہمیں بھی کہ غفلت کو چھوڑ کر
اس راہ پر چلیں جسے بتلائیں رہنما

---

(1) یعنی سرزمین سندھ

امداد قوم سے ہمیں امید ہے 'مدد'
حاصل ہمارے دل کا ہر اک ہوگا مدعا
(سنہ 1928ء)

رباعی

اس بزم کو میں جلسہء احباب کہوں
یا بحرِ ولا کا درِ خوش آب کہوں
شان اس کی مگر کہتی ہے زیبا یہ ہے
گنجینۂ اسلام کا گر باب کہوں

بہارِ جانفزا آئی ہے گل جوبن دکھاتے ہیں
خوشی سے اپنے پیراہن میں کب پھولے سماتے ہیں
ہماری قبر پر آکر کہا یہ اس مسیحا نے
تماشا دیکھ ہم ٹھوکر سے مُردوں کو جلاتے ہیں
غبار ان کو عبث ہے بعد مُردن اس مسافر سے
میں نقشِ پا نہیں ہوں پھر مجھے وہ کیوں مٹاتے ہیں
مقابل میں جنہیں غیروں کے ہم اپنا سمجھتے تھے
وہ ہی ہاتھوں سے اپنے ہم کو مٹی میں ملاتے ہیں
کھٹکتا تھا جنہیں کانٹے کی صورت زندگانی میں
خدا کی شان! میری قبر پر وہ گل چڑھاتے ہیں
بتوں کی سرد مہری سے نہ کیوں پتھر بنیں آنسو
مجھے جب دیکھ کر روتا ہوا وہ مسکراتے ہیں
سنبھل جا اے دلِ مضطر کہ برقِ طور گرتی ہے
وہ اپنے طالبِ دیدار کو جلوہ دکھاتے ہیں

تپش ہے، دردِ سر ہے، سوزِ دل ہے، یاس ہے، غم ہے
تمہارے ہجر میں عشّاق کیا کیا غم اُٹھاتے ہیں
ہزاروں تیر پڑتے ہیں جگر پر ترچھی نظروں کے
تری آنکھوں سے جب ہم اپنی آنکھوں کو لڑاتے ہیں
زمیں کو زلزلہ آتا ہے گردوں کانپ اُٹھتا ہے
ہم اپنے نالہء پُر درد کو جب آزماتے ہیں
خیال کاکلِ پُر پیچ میں سودائی رہتا ہوں
عبث حداد مجھکو دوہری زنجیریں پاتے ہیں
ہوا کشتہ نظر کا کوئی بسمل تیغ ابرو کا
ترے ناز و ادا اے یار! کیا کیا ظلم ڈھاتے ہیں
نہ جانے کیا خیال آیا 'مدد' کچھ خود بخود ان کو
کہ آکر میری تربت پر وہ اب آنسو بہاتے ہیں

ہوا جو بام پر وہ جلوہ گر آہستہ آہستہ
لگا گم ہونے غیرت سے قمر آہستہ آہستہ
محبت دے کے پہلے دل لیا پھر جان پھر راحت
کیا قبضے میں اپنے میرا گھر آہستہ آہستہ
تری الفت کے باعث اے پری پیکر میرے ہمدم
روانہ ہوگئے سب چھوڑ کر آہستہ آہستہ
دلِ صد چاک شانہ کی طرح زلفوں میں جا اُلجھا
چھڑانا سانپ سے اے یمبر آہستہ آہستہ
کہاں ہے اب جگر جو سہہ سکوں میں دردِ فرقت کو
کہ راہِ دید سے ٹپکا جگر آہستہ آہستہ
بچھاؤں فرش آنکھوں کا سرِ راہِ گذر میں جو

کبھی پھرتے ہوئے آئیں ادھر آہستہ آہستہ
نکلتا تھا نہ جو دن کو وہ شب بھر غیر کے ہمراہ
پھرا کرتا ہے بے خوف و خطر آہستہ آہستہ
'مدد' مصرع 'علی' کی یہ بہت دل کو پسند آئی
"کہ آئے بن بلائے میرے گھر آہستہ آہستہ"

■

مرزا قربان علی بیگ 'قربان'

(1290-1351ھ)

میرزا قربان علی بیگ، میرزا قاسم علی بیگ کے فرزند تھے۔ محلہ ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ حیدرآباد ہی میں عربی اور فارسی کی تعلیم پائی۔ بعد میں ہز ہائنس میر نور محمد خان ٹالپور کے میر منشی ہوئے۔ ایک اچھے خوش نویس تھے۔ آپ کے دستخط قلمی نسخے قابل دید ہیں۔

میرزا قربان علی بیگ نے عربی، فارسی، سندھی اور اردو میں شاعری کی۔ 'قربان' تخلص کرتے تھے۔ میر علی نواز 'ناز' کے کلام کی اصلاح بھی کرتے تھے۔ شمس العلماء میرزا قلیچ بیگ نے 'قربان' کی ایک غیر مطبوعہ منظوم بیاض پر یوں تقریظ لکھی ہے:

"میں نے میرزا قربان علی صاحب کی کتاب "ریاض قرباں" مطالع کی، جس میں مناجات، مناقب، نعتیں وغیرہ موجود ہیں۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ مصنف عربی، فارسی، اردو اور سندھی علم کی اچھی مہارت رکھتے ہیں، اور شاعری میں کافی دسترس رکھتے ہیں، جو انتہائی موزون، دلپسند اور موثر ہے۔

حیدرآباد، 26۔مارچ 1929ء"

میرزا قربان نے سنہ 1932ء میں وفات پائی، اور ٹنڈو آغا میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیے گئے۔ قربان کی غزلیں بطور نمونہ درج ہیں:

ترا آنا گر اے رشکِ مسیحا ہو نہیں سکتا
تو بیمارِ محبت جانو اچھا ہو نہیں سکتا

ترے کشتہ کو زندہ سب کریں، یہ غیر ممکن ہے
اگر چاہے ہر اک ہونا مسیحا ہو نہیں سکتا

تری الفت میں وہ کشتہ ہوں، گر عیسیٰ بھی آجائے
وہ زندہ کر نہیں سکتا، میں زندہ ہو نہیں سکتا

میں دل میں روبرو تیرے بہت کچھ سوچ آیا تھا
مگر ہیبت سے اظہارِ تمنا ہو نہیں سکتا

جلاؤ جتنا جی چاہے ستاؤ جتنا جی چاہے
کروں شکوہ کسی سے تیرا، ایسا ہو نہیں سکتا

ہے تیرے وصل کی امید پر یہ زندگی میری
بتادو ہو بھی سکتا ہے، بھلایا ہو نہیں سکتا

زمانہ چھوڑ دے تو چھوڑ دے، پروا نہیں 'قربان'
محبت چھوڑ دوں پیارے کی ایسا ہو نہیں سکتا

جاں بلب ہوں دوا کرے کوئی — وہ یہ کہتے ہیں کیا کرے کوئی
درد ہے دل میں ان کی چاہت کا — میرے حق میں دعا کرے کوئی
عشق میں ہے ضرور رسوائی — دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
نبض چھوٹی ہے سانس رکتا ہے — اب تو وعدہ وفا کرے کوئی

ہم تو عاشق ہیں تیری صورت پر
دوست 'قربان' سا کرے کوئی

■

میر علی نواز خان ٹالپور 'ناز'

(1291-1354ھ)

میر علی نواز خان بن میر امام بخش خان بن میر فیض محمد خان ٹالپور سنہ 1291ھ /9۔ اگست 1884ء میں اپنی ریاست (خیر پور میرس) کے قدیم پایے تخت 'کوٹ ڈیجی' میں پیدا ہوئے۔ خاندانی روایات کے مطابق ابتدائی تعلیم وہیں کوٹ ڈیجی میں پائی۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور کے 'چیفس کالج' میں داخل ہوئے، جہاں سے فارغ ہو کر ولایت چلے گئے۔ 8۔ فروری سنہ 1931ء کو ان کے والد میر امام بخش خان نے وفات پائی۔ 15۔ فروری کو خیر پور میرس کے مشہور 'فیض محل' میں میر علی نواز خان کی تخت نشینی کی تقریب بڑی دھام دھوم سے منعقد کی گئی، جس میں حکومت برطانیہ کی جانب سے پولیٹیکل ایجنٹ شریک ہوئے۔ میر صاحب نے اپنے دور حکومت میں ریاست خیر پور میں کافی اصلاحات نافذ کیں۔ سنہ 1254ھ / 25۔ دسمبر 1935ء میں وفات پائی۔ پہلے کوٹ ڈیجی میں ان کی لاش بطور امانت رکھی گئی اور کچھ مدت کے بعد حسب وصیت آپ کی میت کو کربلا میں لے جا کر دفن کر دیا گیا۔

میر علی نواز خان شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ 'ناز' تخلص کرتے تھے۔ ان کی تصانیف میں سے آتش عشق، خلوت عشق، گلدستہء ناز، اور اردو ترجمہ رباعیات عمر خیام قابل ذکر ہیں۔ اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ اس کے علاوہ سندھی، سرائیکی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ کلام سے انتخاب درج ذیل ہے۔

ناقص سے کیا بیاں ہو یا رب کمال تیرا
خورشید و ماہ میں ہے جاہ و جلال تیرا
چھٹتا نہ سنگ اسود قبضے سے ان بتوں کے

سایہ نہ ڈالتا گر کعبے پہ خال تیرا
تصویر تیری پائی آئینۂ نظر میں
فانوس دل میں دیکھا روشن خیال تیرا
رہتی ہے تازہ ہر دم دل میں تری محبت
آزاد ہر خزاں سے نکلا نہال تیرا
گیسو کی الجھنوں سے اس 'ناز' کو نکالا
احسان مند یا رب ہے بال بال میرا

—

سہل ہے ذرّے کا خورشید درخشاں ہونا
آدمی کا مگر آساں نہیں انسان ہونا
بدمزہ ہو نہ کہیں خنجر قاتل کی زباں
دہن زخم کو لازم ہے نمکداں ہونا
لاش پروانے کی جلتی ہوئی دکھلا کے مجھے
تم نے بھی دیکھ لیا شمع کا گریاں ہونا
دل مرا جب سے لیا آنکھ ملاتے ہی نہیں
ان سے سیکھے کوئی شرمندہ احساں ہونا
وہ تو سوتے ہیں مگر جاگ رہی ہے قسمت
ہو مبارک تمہیں 'ناز' ان کا نگہباں ہونا

—

آئینہ دیگا کہاں سے بندہ پرور کا جواب
یہ مرا دل ہے کہ دیتا ہے برابر کا جواب
دل بھرا آتا ہے دیکھی ہے جو تیری چشم تر
اس صراحی سے دیا ہے ہم نے ساغر کا جواب
سخت باتوں پر عدو کی 'ناز' دل بوجھل نہ کر
سیکھ نخل بار ور سے جا کے پتھر کا جواب

—

خواب میں آنے کی میری نہ قسم کھایئے آپ
نیند آئے گی تو سو جاؤں گا میں جایئے آپ
عشق کی شکل نہ دکھلاؤں تو جھوٹا کہنا
آئینہ بن کے کسی روز چلے آیئے آپ
میں نے گیسو جو بنانے کو کہا، فرمایا
جعلسازوں میں مجھے مفت نہ پھنسوایئے آپ
خلوت 'ناز' ہے کچھ ڈر نہیں کھل جانے کا
ہاتھ محرم پہ جو پڑ جائے نہ شرمایئے آپ

—

تڑپا ہے کیسا کیسا دلِ بیقرار رات
گزرے کسی پہ ایسی نہ پروردگار رات
اندھیر ہو گیا کہ کھلا ضبط کا بھرم
آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار رات
اس شمع رو کو دیکھ کے بزم رقیب میں
جلتا رہا میں رشک سے پروانہ وار رات
پروانہ جل بجھا جو تری تاب حسن سے
روئی ہے شمع میرے لیے زار زار رات
ارمان بے نکالے ٹلے گا نہ آج 'ناز'
آتی ہے ہاتھ ایسی کہیں بار بار رات

—

کیوں خفا ہیں حضور کیا باعث — کچھ خطا، کچھ قصور، کیا باعث
دل تو کیا آنکھ بھی نہیں ملتی — مجھ سے رہتے ہو دور کیا باعث
اپنے سائے سے کیوں جھجھکتا ہے — کچھ تو کہہ رشک حور، کیا باعث

توبہ ساقی سے مل گئی کیا 'ناز'
شیشۂ مے ہے چور کیا باعث

کیا جانے شبِ وصل کہاں کی ہے سحر آج
جھینپی سی نظر آتی ہے کچھ ان کی نظر آج
آتے ہی شبِ وصل کے کیا سو گئی تقدیر
دیتے ہیں اذاں شام سے مرغانِ سحر آج
گریاں رہے کل تک دلِ گم گشتہ کی خاطر
کیا جان کو روئیں گے مرے دیدۂ تر آج
سوز غم فرقت کا بھرم کھل گیا آخر
آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو بن کے جگر آج
یہ 'ناز' کی محفل ہے یہاں وعظ کا کیا کام
کورے نہ بچیں شیخ جو آئے ہیں ادھر آج

الٰہی غیر بھی سو جائے پاسباں کی طرح
وہ حال دل مرا سنتے ہیں داستاں کی طرح
یہ کیا کہ آؤ تو دل بن کے جاؤ جاں کی طرح
ہمیں پسند نہیں مرگ ناگہاں کی طرح
تمہارا کشتۂ رفتار جب سے دفن ہوا
زمین بھی پڑ گئی چکر میں آسماں کی طرح
خدا بچائے قیامت اٹھانے والی ہیں
وہ ترچھی ترچھی نگاہیں وہ بانکی بانکی طرح
شب فراق جنوں نے یہ پاؤں پھیلائے
کہ تنگ ہو گیا صحرا مرے مکاں کی طرح

یہ بزم 'ناز' نہیں جلوہ گاہ محشر ہے
یہاں تو منہہ نہ چھپائے کوئی وہاں کی طرح

—

ناتوانی میں بھی ہے کوچہء دلدار کا رخ
دیر سے دیکھ رہا ہوں دل بیمار کا رخ
میں بھی ہوں قتل گہ عام میں اغیار بھی ہیں
دیکھیے کس کی طرف ہو تری تلوار کا رخ
دشت کی سیر ہے منظور مجھے گھر بیٹھے
در و دیوار پہ ہے دیدۂ خونبار کا رخ
دل دیدار طلب لے کے وہیں پہنچے 'ناز'
جس طرف دیکھ لیا جلوہ گہ یار کا رخ

—

خامشی عرض حال ہے شاید — میری صورت سوال ہے شاید
نہیں آنکھوں میں آپ کے ڈورے — یہ محبت کا جال ہے شاید
اپنے سائے سے بچ کے چلتے ہو — میری یہ دیکھ بھال ہے شاید
کیوں ٹپکتی ہے آنکھ سے حسرت — شیشہء دل میں بال ہے شاید

جان دینے پہ فخر کیسا 'ناز'
عاشقی کچھ کمال ہے شاید

—

ہاتھ کیا ہوں ترے پابند حنا میرے بعد
خون ناحق میں رہا کچھ نہ مزا میرے بعد
صرف وحشت کا تخیل تھا کہاں کی لیلیٰ
قیس کیوں مفت میں بدنام ہوا میرے بعد

—

بلبل خزاں میں خار و خس آشیاں نہ ڈھونڈ
اُجڑے ہوئے چمن میں نشانِ مکاں نہ ڈھونڈ
الزام بے ثباتیِ عالم تجھی پہ ہے
غافل جہاں میں عیش و غم جاوداں نہ ڈھونڈ
تار نظر ہوں خود نظر آنا محال ہے
اے لاغری نشان تنِ ناتواں نہ ڈھونڈ

—

ہٹائے اپنے گیسو آپ نے رخ سے جو رہ رہ کر
شب وعدہ رہی بے نور نکلا چاند گہہ گہہ کر
ہمارا ہی تو دل لے لے کے آخر تم بنے دلبر
تمہاری خو بگاڑی ہے ہمیں نے ظلم سہہ سہہ کر
وہ جوڑا کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں بزم دشمن میں
مرے سینے پہ کیا کیا لوٹتے ہیں سانپ رہ رہ کر

—

یہ کون بربط دل پر ہے زمزمہ پرداز
میں سن رہا ہوں عجب اک لطیف سی آواز
کسی کی مہر خموشی بھی ہے حکایت لطف
کسی کا طرز تغافل بھی ہے اشارت ناز
گمان یہ ہوتا ہے رہ رہ کے دل کی دھڑکن پر
مجھے کسی نے پکارا کسی نے دی آواز
یہ زندگی ہے کوئی زندگی کہ قسمت میں
نہ عشوہائے حسیناں نہ غمزۂ غماز
مری نگاہ نہیں جلوہ آشنا ورنہ

ہر ایک ذرّہ عالم ہے آفتاب طراز
علی کے عشق میں ہے موت زیست کا حاصل
یہ نقد شوق وہ ہے 'ناز' کو ہے جس پر ناز

—

بہار کی ہے نشانی یہی خزاں کے پاس
شکستہ پر سے پڑے ہیں جو آشیاں کے پاس
سر نیاز کہیں بھی مرا نہ پہنچ سکا
نہ تیرے در کے قریب اور نہ آسماں کے پاس
کسی کے فیض رفاقت سے جو رہی محروم
وہ جوئے خشک ہوں اک بحر بیکراں کے پاس
سنا گیا ہے کہ ہے منزل مراد کہیں
در عدم کے قریں راہ بے نشاں کے پاس
نہ آرزو نہ تمنا نہ جذب شوق نہ شوق
بجز نیاز ہے کیا 'ناز' نیم جاں کے پاس

—

بے خودی میں حسرت دل کی تلاش
بیچ دریا میں ہے ساحل کی تلاش
زندگی میں سب ہیں گرم جستجو
ہے ہر اک منزل کو منزل کی تلاش
راہزن ملتے رہے ہر گام پر
حد سے گذری خضرِ منزل کی تلاش
عاقلوں کو میکشوں کی تاک جھانک
قُل قُلِ مینا کو عاقل کی تلاش
مدعی الفت کے لاکھوں پھر بھی 'ناز'
نقشِ الفت کو ہے عامل کی تلاش

—

حد بے خودی شوق کی مے خانہء اخلاص
اخلاص محبت، خط پیمانہء اخلاص
محفل میں نہ تھا جوہریِ نقد وفا ایک
گو شمع لٹاتی رہی دردانہء اخلاص
دیکھا ہے بڑے غور سے ہر گوشے کو اے 'ناز'
کل عالم ایجاد ہے پروانہء اخلاص

—

کیا ہو گیا جو کھالیے لالے نے چار داغ
میرا جگر تو دیکھ کہ ہیں سو ہزار داغ
ڈالی نہ تم نے خاک جو دل کے غبار پر
روشن رہے گا بن کے چراغ مزار داغ
گل ہوگیا ہے جب سے چراغ رہِ امید
میری نظر میں ہے چمن روزگار داغ
مجھ کو یہی خیال ہوا : صبح ہوگئی
روشن ہوا جو دل میں شب انتظار داغ

—

ہزار چھوڑے شگوفے کوئی چمن کی طرف
ہمارا روئے سخن ہے ترے دہن کی طرف
جو پوچھتا ہوں تماشائے حشر ہے کس جا
اشارہ کرتے ہیں سب تیری انجمن کی طرف
الگ ہے دونوں سے میرا طریق مشرب 'ناز'
نہ میں ہوں شیخ کی جانب نہ برہمن کی طرف

—

دیکھنا جذب وفا میں شوخی تحریر شوق
رنگ رخ اُڑتا گیا بنتی گئی تصویر شوق
انتظار وصل پر آخر یہ پتھر پڑ گئے
پتلیاں آنکھوں کی پتھرا کر بنیں تصویر شوق

—

ترے جلوے سے روشن ہو گئی شام غریباں تک
ترے صورت کا پروانہ ہے شمع بزم حیراں تک
بہت نکلا اگر نکلا اُلجھ کر آستینوں سے
بہت پہنچا اگر دست جنوں پہنچا گریباں تک

—

اچھا ہوا کہ لگ گئی دامان تر میں آگ
کب سے بھڑک رہی تھی ہمارے جگر میں آگ
رکھا جہاں قدم وہیں آتشکدہ بنا
بھڑکی تمہاری چال سے یہ رہ گذر میں آگ
مجھ کو جلا رہا ہے شب ہجر چاند بھی
پھیلی ہے چاندنی کے عوض میرے گھر میں آگ
پی پی کے آنسو دل کی لگی کو بجھائیں کیا
سلگی ہے سوز عشق سے یہ عمر بھر میں آگ
کیا پوچھتے ہو کیفیتِ دل کا حال 'ناز'
ان کی نظر میں خاک ہے میری نظر میں آگ

—

کیا دیکھیں ہم بہار میں تازہ چمن کے پھول
سینے میں ہیں کھلے ہوئے داغ کہن کے پھول
خلقت ازل سے ان کی جو نیرنگ ساز ہے
یہ حسن والے دل کے ہیں پتھر بدن کے پھول

—

قید وفا میں جان ہے بند کفن میں ہم
مر کر بھی ہیں کشاکش رنج و محن میں ہم
اپنا تو بال بال خطا وار عشق ہے
الجھے ہوئے ہیں زلف شکن در شکن میں ہم
کیا ہو اثر بہار کا جب تازگی نہ ہو
برگ خزاں رسیدہ ہیں گویا چمن میں ہم

—

مجھے دکھا کے وہ دشمن کو پیار کرتے ہیں
یہ کیا غضب مرے پروردگار کرتے ہیں
پھر ان کے وعدے پہ ہم اعتبار کرتے ہیں
پھر انتظار شبِ انتظار کرتے ہیں
دم اخیر بھی ملتی نہیں ہے لذتِ دید
نگاہ پھیر کے وہ مجھ پہ وار کرتے ہیں
یہ 'ناز' جذبِ محبت کا ہے اثر شاید
وہ آج ذکر مرا بار بار کرتے ہیں

—

بھر دے ساقی مرے تقدیر کے پیمانے کو
عمر بھر دوں گا دعائیں ترے میخانے کو
بیڑیاں روک سکیں گی ترے دیوانے کو
رک گئے پاؤں تو دامن ہے نکل جانے کو
سر جھکا آکے کسی روز ادھر بھی زاہد
خاص نسبت ہے ترے کعبے سے بتخانے کو
شیشۂ دل کو مئے شوق سے لبریز نہ کر

یہ پری لے کے نہ اُڑ جائے پری خانے کو
شیخ توبہ کرو توبہ یہ شراب اور حرام
کوری باتیں ہیں یہ سب 'ناز' کے بہکانے کو

—

مری آہوں سے کیوں بگڑتے ہو
تم تو چلتی ہوا سے لڑتے ہو
ایک بوسے پہ آج لڑتے ہو
اتنی سی بات پہ جھگڑتے ہو
چوٹی گندھوا رہے ہو غیروں سے
اپنے پیچھے تم آپ پڑتے ہو
کہیں پگڑی اُتر نہ جائے شیخ
بادہ خواروں سے مفت اڑتے ہو
نشے میں 'ناز' ہے تلاشِ شباب
چور بھاگا ہوا پکڑتے ہو

—

پری سے تم بنو گے رشکِ حور آہستہ آہستہ
شباب آئے گا لے کر منہہ پہ نور آہستہ آہستہ
مرے ہاتھوں کی گستاخی کا ملتا ہے جواب اچھا
وہ ہٹتے جاتے ہیں ہنس ہنس کے دور آہستہ آہستہ
ہوئی رخصت جوانی نشہء ہستی اترتا ہے
خمار آتا ہے جاتا ہے سرور آہستہ آہستہ
پئیں گے، دم تو لینے دو کہ نو آموز ہیں زاہد
یہ سب جاتا رہے گا اجتناب آہستہ آہستہ
ادھر اس 'ناز' پر بھی اک نظر اے صاحب دلدل
چلا آتا ہے یہ بھی ہمرکاب آہستہ آہستہ

—

بلائیں لی ہیں کیا کیا زلف نے رخسار جاناں کی
تلاوت کی ہے کس کس شوق سے کافر نے قرآں کی
مرے گھر آئے لیکن اس طرح آئے کہ کیا کہیے
کڑے چتوں، چڑھے ابرو، نظر ترچھی، ادا بانکی
کیا ہے میری قسمت کے ستاروں نے ہجوم آکر
حقیقت اور کیا ہے تیری پیشانی پہ افشاں کی
محبت نے کسی کی 'ناز' کافر کردیا مجھکو
مرے دل میں جگہ ہوتی چلی اک نامسلماں کی

—

دیکھنا 'ناز' کو عاشق بھی ہے عیار بھی ہے
جان دیتا نہیں اور جان سے بیزار بھی ہے
تیرا یہ رنگ کہ قاتل بھی ہے دلدار بھی ہے
دل کا یہ حال کہ اچھا بھی ہے بیمار بھی ہے
دیدہ و دل میں نہیں جرأت سودا ورنہ
حسن یوسف بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے
ساتھ راحت کے مصیبت بھی لگی ہے اے 'ناز'
پہلوئے گل میں کھٹکنے کے لیے خار بھی ہے

—

قیامت میں کوئی کسی کا نہیں ہے
چھپو گے کہاں اب یہ دنیا نہیں ہے
کوئی وقت پر کام آتا نہیں ہے
مجھے موت کا بھی بھروسہ نہیں ہے
محبت میں ہے حال بھی غیر اپنا

یہ سچ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں ہے
خدا جانے کس پر نظر جا پڑی تھی
کہ اب تک مجھے ہوش آیا نہیں ہے
مئے حبّ حیدر پہ ہے 'ناز' مجھکو
مجھے خواہشِ جام صہبا نہیں ہے

■

کلیم اللہ شاہ

(1293ھ-؟)

سید کلیم اللہ شاہ ولد محمد ارشد شاہ ولد محمد عطا شاہ "نئوں دیرو" سے متصل 'شاہ جو گوٹھ' (ضلع لاڑکانہ) میں سنہ 1293ھ (1876ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پردادا پیر علی مرتضیٰ شاہ، پیر سائیں محمد راشد رحہ "روضہ دھنی" (مورث اعلیٰ خاندان حضرت پیر صاحب پاگارہ) کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کا خاندان 'شاہانی سادات' کے نام سے مشہور ہے۔ کلیم اللہ شاہ اپنے بچپن میں سیوی اور بلوچستان میں رہے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ طب کا بھی مطالعہ کیا اور شوقیہ طبابت کرتے تھے۔ راگ کا بیحد شوق تھا۔ ہندوستان سے بڑے بڑے گویئے آپ کے پاس آتے تھے۔ طبع موزون پائی تھی۔ سندھی، سرائیکی، فارسی اور اردو میں آپ کا کلام موجود ہے۔

سنہ 1322ھ (1904ء) میں انہوں نے اپنی غزلیات کا ایک مجموعہ [1] کسی دوست کو بھیجا، جس کے آخر میں لکھتے ہیں:

"تمت ہو گئی غزلیات اُردو تصنیف کلیم اللہ شاہ۔ جناب، آپ کے حکم موجب یہ چند نمونہ غزلیات اردو لکھے گئے ہیں۔ اگر منظور ہو، تو چند ورق اور بھی خدمت میں ادا کریں۔ فقط۔ تاریخ 17۔ ماہ رجب المرجب سنہ 1322ھ۔ کلیم اللہ شاہ۔"

اس مجموعہ سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

گر یار خدا آج ملاوے تو کیا عجب
شربت بھی اسی ہاتھ پلاوے تو کیا عجب

---

[1] جو مرزا عباس علی بیگ کے یہاں (حیدرآباد) محفوظ ہے۔

ہم چاک دلم چاک ہمارا ہے بدن چاک
باوصل کی سوزن سے سلاوے تو کیا عجب

—

پریرویوں کی ہے تجھ کوں امامت
امامت ہے، امامت ہے، امامت
جدائی دن کہوں عینِ قیامت
قیامت ہے، قیامت ہے، قیامت
کلیم اللہ جوں در گوش بندہ
غلامت ہے، غلامت ہے، غلامت

—

دل میں آیا کہ چل میں آؤں آج
تیری شفقت کا سر پہ لاؤں تاج
کچھ نہیں مانگتا خدا سے مگر
اک رقیبوں کے مرگ کا ہی علاج

—

داغ جدائی مشکل، مشکل نہیں اے لوگو
جانِ فدائی مشکل، مشکل نہیں اے لوگو
دلبر کے کوچہ جانا، یہ عیش ہے نہ ذلت
ہر در گدائی مشکل، مشکل نہیں اے لوگو

■

پیر جمال الدین علوی

(1296-1355ھ)

پیر جمال الدین، مشہور ولی شیخ ابو ریحان سلطان غیاث الدین عرف 'شیخ ریحان' کی اولاد میں سے تھے۔ پیر محمد ہاشم کے فرزند تھے۔ "شاہ ابراہیم دادانی گوٹھ" (تحصیل حیدرآباد) میں 27۔رجب 1296ھ کو پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی علوم میں دسترس حاصل کی۔ کئی زبانوں پر عبور تھا۔ عربی، فارسی، ترکی، اردو، بلوچی، پشتو اور گجراتی بول سکتے تھے۔ تحریک خلافت میں نمایاں طور پر حصہ لیا اور ایک انقلابی کی حیثیت میں انگریزوں کے خلاف ڈٹ کر کام کیا۔

پیر جمال الدین نے فارسی، سندھی اور اردو میں شاعری کی۔ 1922ء میں انگریزوں کے خلاف 'باغیانہ' تقریروں کی پاداش میں گرفتار کئے گئے۔ گرفتاری سے پہلے حکام نے ان کو دھمکی دی تھی کہ تم جوشیلی تقریریں کرتے ہو، گرفتار کئے جاؤ گے۔ فی البدیہ جواب دیا:

تمہاری ہتھکڑی بیڑی نہیں کافی ڈرانے کو
رکھا جب سر ہتھیلی پر تو کیا پرواہ زنداں کی

جیل خانے میں خوب اذانیں دلوائیں۔ سپرنٹیڈنٹ نے بُلا کر تنبیہہ کی۔ جواب میں فی البدیہ کہا:

اذاں دینگے بلند اعلاں سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی اکمل

اس پر ان کو مزید سزا ہوئی اور سندھ سے باہر 'تھانہ' (بمبئی سے آگے) کے جیل خانے میں بھیج دئے گئے۔ وہاں پر اور بھی خلافتی کارکن نظر بند تھے۔ وہاں پہنچ کر

مرہٹی زبان سن کر کہا:

عجب تیری قدرت دیکھی یا الٰہی
کہ قسمت وطن سے اٹھا ہم کو لائی
وہاں آکے پہنچے کہ سندھی نہ سمجھیں
یہ 'اکڑے' یہ 'تکڑے' یہ کہتے یہ بھائی

ایک سال تک 'تھانہ' کی جیل میں نظر بند رہے، اور اپنے انقلابی نظریوں کو کھلم کھلا بیان کرتے رہے۔ مولوی نثار احمد مفتی کانپور سے کہا کہ: 'جیل نہ سمجھو بلکہ اس کو مدرسہ ہی سمجھو'۔ محمد شعیب قریشی بھی اسی جیل میں تھے۔ وہ پیر صاحب کی ہمت مردانہ سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ انہوں نے اردو میں کافی اشعار کہے ہیں جن میں سیاسی اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ یکشنبہ 12۔ شوال 1355ھ (27۔ دسمبر 1936ء) کو فوت ہوئے اور ولی شیخ ریحان کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

■

فقیر محمد ہدایت علی نجفی

(1300؟-1362ھ)

محمد ہدایت علی 'تارک' بن فقیر اللہ داد تونیہ، 'لعلو رانک' گوٹھ، تحصیل قنبر، ضلع لاڑکانہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا محبت اللہ صاحب کے یہاں عربی اور فارسی تعلیم پائی۔ فارسی اور سندھی میں کئی کتابیں لکھیں۔ عربی، فارسی، سندھی اور اردو کے شاعر تھے۔ 'نجفی' تخلص کیا کرتے تھے۔ غالباً پشتو زبان میں بھی اشعار کہے۔ کلیاتِ تارک، قطعات تارک ان کے فارسی اشعار پر مشتمل ہیں۔ سندھی میں 'دیوان نجفی' چھپ چکا ہے۔ سنہ 1929ء میں ایک مختصر تاریخ 'شعراء سندھ' (سندھی) لکھی جس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے[1]۔ سنہ 1362ھ / 1943ء کے قریب وفات پائی اور اپنے گاؤں میں آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ نجفی کے اردو کلام سے اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

گر وہ خلاقِ جہان و جاں نہ ہو
ظاہراً کچھ عالمِ امکاں نہ ہو
تجھکو اپنا جو نہ خالق جان لے
حق کرے ایسا کوئی انساں نہ ہو
سنگ سے کمتر ہے وہ سر، جو کبھی
جلوۂ جانان پر قرباں نہ ہو

▪

[1] ہدایت علی نجفی، "تاریخ شعراء سندھ" (مترجم محمد حفیظ الرحمان حفیظ)، بہاولپور 1365ھ۔